13

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زیر نظر کتاب ہماری اپنی کوششوں
کی رہین منت ہے۔
صفحہ ۸۳ تک ۱۰ مضامین شریک کتاب
ہیں صفحہ ۸۴ سے ۱۰۳ تک تعزیتی
پیامات اور صفحہ ۱۰۴ سے ۱۰۷
تک ارشادات تائید ملت پر یہ کتاب
مشتمل ہے۔

نذیر احمد

بہادر یار جنگ

اہلِ دانش کی نظر میں

مرتبہ:۔ نذیر الدین احمد

سلسلہ مطبوعات بہادر یار جنگ ۱۳

بہادر یار جنگ
اہلِ دانش کی نظر میں

(مرتبہ)

نذیر الدین احمد (عثمانیہ)
سابق کونسلر

ناشر
قائد ملت اکیڈمی چیلہ پورہ حیدرآباد

قیمت 2/=

طبع اول	ایک ہزار
تاریخ اشاعت	اکتوبر ۱۹۷۹ء
ناشر	قائد ملت اکیڈیمی چیلہ پورہ (اے۔پی)
کتابت	محمد منظہر
مسودات ٹائپ	عبدالقادر ٹائپسٹ
طباعت	اعجاز پرنٹنگ پریس
سرورق ڈیزائین	ایم۔اے غفار۔آرٹسٹ
طباعت سرورق	انتخاب پریس
قیمت	دو روپے

ملنے کے پتے

سوپر سانک کاپنگ سنٹر دیوان دیوڑھی حیدرآباد

حسامی بک ڈپو مچھلی کمان حیدرآباد

انتساب

یہ دراصل سیاہ حاشیہ ہے جو انتساب کے زیر عنوان خون کے آنسو بہا رہا ہے۔

حضرت قائد ملت کے ورثا، عزیز و اقارب، کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کل ہند مسلم لیگ، کل ہند تعمیر ملت، کل ہند انجمن ہدویہ چنچل گوڑہ کے نام جن حضرات اور انجمنوں کے قائدین نے آج تک ہمارے اس عظیم مقصد کے حامل کام میں کبھی کوئی دلچسپی لی اور نہ ہی مستقبل میں کوئی امید ان سے وابستہ کی جا سکتی ہے۔

شعور کی موت پر یہ سیاہ حاشیہ (بطور انتساب) ہمارے احساسات قلبی کا آئینہ دار ہے۔

مخفی مباد انشاء اللہ بغیر کسی تعاون کے یہ کام جس طرح جاری ہے اسی طرح جاری رہے گا۔

لے کے نکلے گی ہر ایک بوند ہتیلی پہ چراغ

نذیر الدین احمد

ابتدائیہ

۱۹۶۸ء میں یعنی حضرت قائد ملت کے انتقال کے پورے ۲۶ برس بعد نگارشات بہادر یار جنگ کے زیر عنوان قائد ملت کی پہلی کتاب شائع ہوئی۔

نامساعد حالات کے باوجود دس کتابیں مارچ ۱۹۷۱ء تک مختلف عنوانات کے تحت شائع ہوتے رہے پھر مولوی وحید الدین خاں بوزنی معتمد بہادر یار جنگ اکیڈیمی کراچی جب ۱۹۷۸ء میں حیدر آباد تشریف لائے تو نئی امنگ کے ساتھ ہم نے بھی کمر ہمت باندھ لی اور مارچ ۱۹۷۹ء میں اس سلسلۂ اشاعت کی گیارہویں کتاب "بہادر یار جنگ مشاہیر وطن کی نظر میں" بارہویں کتاب بھی ۱۹۷۹ء میں بہ عنوان "بہادر یار جنگ مشاہیر دکن کی نظر میں" شائع کی۔

قائد ملت اکیڈیمی کے زیر اہتمام تیرہویں کتاب "بہادر یار جنگ

اہلِ دانش کی نظر میں" پیشِ خدمت ہے۔

چودھویں کتاب "بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں" انشاء اللہ دسمبر ۱۹۷۹ء تک شائع ہوگی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت قائدِ ملت کے شیدائی مولوی وحید الدین خاں بوزئی کے خلوص کا فیضان ہے جو یہ کام پھر سے شروع ہو سکا۔

۱۹۸۰ء میں انشاء اللہ حضرت قائدِ ملت کی سیاسی، غیر سیاسی اور مذہبی تقاریر پر مشتمل تین کتابیں شائع ہوں گی۔

اگر حضرت قائدِ ملت پر حصولِ مواد کی کوشش جاری رہے تو ایک سال کے اندر ایک اور کتاب "باقیات بہادر یار جنگ" بھی شائع ہو سکتی ہے۔

اس کام کے انجام پا جانے کے بعد لسان الامت پر ایک مکمل باتصویر کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری بھی پوری کرنی ہے۔

اس عظیم مقصد کے حامل کام کے لیے راہِ شوق میں دل دل کی امنگ نے پر لگا دیئے تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ ؎

زادِ راہ ضروری نہیں سفر کے لیے

سب سے بے نیاز ہو کر جب چلا تو منزل سامنے اور مقصد ساتھ ساتھ نظر آئے، سچ ہے ؎

سُنا ہے میں نے یہ آسودگانِ منزل سے
کہ زادِ راہ ضروری نہیں سفر کے لیے

بڑوں کے وعدے، امیروں کی ہمت افزائیاں سب سپنا کا

سراب ثابت ہوئے۔ ؎

سایہ ہے کم کھجور کے اونچے درخت میں
امید باندھیئے نہ بڑے آدمی کے ساتھ

اب مجھے دیارِ شوق سجانا ہے، لہو کے دیپ جلانا ہے ؎

شعورِ فن کے سویروں کو شب کی محفل میں
صدائیں دے کے جگانا ہے۔

میں دشتِ تمنا کی دھوپ میں اکیلا کھڑا ہوں مگر قائد کی گنبد کا سایہ میرے ساتھ ہے اور یہی بس ہے ؎

یوں مطمئن ہوں دشتِ تمنا کی دھوپ میں
جیسے کسی کا سایۂ دیوار ساتھ ہے

نذیر الدین احمد
سابق میونسپل کونسلر
چیلہ پورہ حیدرآباد

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(نواب بہادر یار جنگ کی یہ تصویر شاہ فاروق
کے خاص فوٹوگرافر نے لی تھی)

ابراہیم جلیس

قائدِ ملّت بہادر خاں مرحوم

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

۲۴ جون ۱۹۴۴ء سے قبل بہادر یار جنگ ایک قد آور جسم کا مضبوط انسان تھا اور ۲۴ جون کے بعد وہ ایک پاکیزہ روح بن گیا ہے۔ اس تاریخ سے پہلے وہ بیت الامت، حیدرآباد دکن میں رہتا تھا اب سارے حیدرآباد ہندوستان اور پاکستان میں رہتا ہے۔

- پہلے نگاہوں میں رہتا تھا اب دل میں رہتا ہے۔
- کل تک وہ پیغامبر تھا آج پیغام ہے۔
- کل وہ ایک پھول تھا آج ایک خوشبو ہے۔
- کل وہ ہماری رونقِ چشم تھا آج ایک آنسو ہے۔
- ایک ایسا آنسو جو ہماری آنکھوں سے اب کبھی نہیں ڈھلک سکتا۔
- کل تک وہ ایک قوم کی زبان تھا آج ایک لافانی گونج ہے۔
- کل تک وہ حیدرآبادی تھا۔ آج حیدرآباد ہے۔

کہنے کو تو بہادر یار جنگ ایک نواب یا جاگیردار تھا مگر وہ اس دنیا

میں عام انسانوں کی طرح آیا چونکہ ایک جاگیر دار خاندان کا چشم و چراغ تھا اس لیے ایک عالی شان محل میں اس کی زندگی کا آغاز ہوا۔ اور اسی لیے ابتدا میں اس کی زندگی میں چاندی سونے کی چمک تھی۔ اطلس و کمخواب کی نرمی تھی عیش و آرام کی گرمی تھی اس کی پیدائش پر ممکن ہے یہ کہا گیا ہو کہ اس کی پیدائش اس سے زیادہ قابل ذکر واقعہ نہیں ہے کہ جاگیر داروں کے ایک غول میں ایک اور جاگیر دار کا اضافہ ہوا ہے مگر دنیا کو بہت دیر بعد پتہ چلا کہ بہادر یار جنگ کا جسم یوں تو جاگیر دار کا جسم ہے لیکن:

اس کا دل بہادر خاں کا دل یا ایک عام غریب آدمی کا دل ہے۔

اور یہ دل کا معاملہ ہی ہے کہ عین عالم جوانی میں بہادر یار جنگ اپنی شان و شوکت کی زندگی کو ٹھکرا کر ایک جگمگاتی زندگی سے منہ موڑ کر ریشمی اور نرم گدیوں سے اٹھ کر جاگیر اور خطاب پھینک کر اپنے عالی شان محل سے نکلا۔ باہر نکلنے کے بعد وہ گوتم بدھ کی طرح پیپل کے پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھنے کے بجائے گلی کوچوں میں چلا آیا۔ عوام کے درمیان آیا۔ انھیں اپنے گلے سے لگایا۔ اور اپنی آخری سانس تک اس کی زندگی عوام سے بغل گیر رہی۔

میں نے بہادر یار جنگ کو پہلی بار اس وقت دیکھا جب کہ گلبرگہ ہائی اسکول میں پڑھنے کا طالب علم تھا۔ ان دنوں جگہ جگہ بہادر یار جنگ کے نام کا چرچا تھا اس کے نام کی بڑی دھوم دھام تھی اس لیے مجھے اس کو ایک بار دیکھنے کی تمنا تھی۔ آخر ایک دن معلوم ہوا کہ بہادر یار جنگ گلبرگہ آیا ہوا ہے دوسرے دن میں نے دیکھا کہ گلبرگہ کے ایک وسیع میدان میں خاکساروں کی پلٹن مارچ پاسٹ کرتی ہوئی آرہی ہے اور بالکل سامنے کی قطار میں پہلا آدمی ـــــ ایک بڑا ہی قد آور بھاری

بھرکم آدمی جیسے حیدرآباد کا ہر کولس ہو۔ بے حد رعب دار چہرہ، بھری ہوئی داڑھی خاکی وردی میں ملبوس۔ خاکسار تحریک کا بیلچہ کندھے پر۔ اپنے بازو ایک لوہار پیشہ معمولی خاکسار کے قدم سے قدم ملا کے سڑکوں پر مارچ پاسٹ کر رہا ہے کمشنر نے گلبرگہ نے اسے بہت بڑا نواب اور جاگیردار سمجھ کر گورنمنٹ گسٹ ہاؤس میں اس کی رہائش کا انتظام کیا تھا لیکن

وہ تو صرف بہادر خاں نکلا ــــ ایک خاکسار ــــ جو وسیع میدان میں نصب ایک چھوٹی سی روانٹی میں ٹھہرا ہوا تھا اپنا کھانا خود پکاتا اور اپنی روانٹی میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتا تھا۔

تیسرے دن میں نے دیکھا کہ اس وسیع میدان میں ہزاروں تماشائی جمع ہیں اور ایک غریب آدمی جو خاکساروں کا ــــ اور اس وقت بہادر یار جنگ کا بھی امیر تھا اس نے منظر عام پر ہزاروں تماشائیوں کی موجودگی میں بہادر یار جنگ کو سزا دی۔ بہادر یار جنگ کا جرم یہ تھا کہ اس کو ایک دعوت میں دیر ہو گئی تھی اور وہ پریڈ میں دس منٹ دیر سے پہنچا۔ سالار نے حکم دیا کہ میدان میں تیس دوڑیں لگاؤ۔

میں نے ہزاروں آدمیوں کے مجمع کے ساتھ دیکھا ہے۔ کہ

حیدرآباد کا جاگیردار نواب بہادر یار جنگ بلا چوں و چرا اپنے سالار کے حکم کی تعمیل میں بخوشی میدان کے گرد دوڑیں لگا رہا ہے۔

اس دن میں نے بہادر خاں کو اتنی دیر تک پلک جھپکائے دیکھا اور دیکھتا رہا۔ جب تک وہ میری آنکھوں میں سما نہ گیا میں نے اپنی چھوٹی سی زندگی میں اتنا بڑا آدمی اور کوئی نہیں دیکھا تھا۔

اسی رات بہادر یار جنگ ایک مسجد میں تقریر کرنے والا تھا میں نے بھی اس مسجد میں ہمہ تن گوش بن کر گیا۔ بہادر یار جنگ نے تقریر شروع کی وہ ایک شیر کی طرح گرج رہا تھا۔ اس روانی سے بول رہا تھا جیسے

- اس کی تقریر تقریر نہیں بلکہ پہاڑی ندی ہے۔
- اس کے جملے جملے نہیں شرارے ہیں جو کسی قوم کے صدیوں سے منجمد لہو کو رگوں میں پگھلا رہے ہیں۔
- اس کی آواز آواز نہیں تھی بلکہ ایک چکا چوند پیدا کرنے والی روشنی تھی جس نے قلب و دماغ کے بوڑھے اندھیرے کو ہلاک کر دیا تھا۔
- وہ خطیب نہیں تھا بلکہ وہ ایک جادوگر تھا جس نے خطابت اور اعجاز نطق سے ہزاروں جیتے جاگتے انسانوں کو پتھر کی طرح ساکت و صامت بنا دیا تھا۔

عجیب آتش نفس خطیب تھا صرف اپنی شعلہ نوائی سے اس نے جنوبی ہندوستان کے بھیانک سیاسی اندھیرے کو منور کر دیا تھا وہ جیسے

- اندھیرے کا دشمن تھا جہاں اس نے اندھیرا دیکھا وہ اپنی شعلہ نوائی سے نور کی شمعیں جلائیں۔
- جہاں تاریکی دیکھی وہاں بجلی کی طرح کوند گیا۔ پہلے پہلے تو اس کی آواز کی گھن گرج صرف بندیاچل اور ست پڑا کی وادیوں میں گونجتی رہی لیکن جیسے جیسے اس کی آواز جواں ہوتی رہی اس کا جادو بھی سر چڑھتا گیا۔
- ایورسٹ اور ہندوکش کی چوٹیاں لرزنے لگیں۔
- خلیج بنگال اور بحیرۂ عرب میں تموج پیدا ہونے لگا۔

:: اس کی آواز کے حربے سے اس نے سارا ہندوستان فتح کر لیا تھا وہ جب بھی کسی ڈائس پر کسی مائیکروفون کے آگے آتا خطیبوں اور مقرروں کا کیا ذکر

:: قائداعظم، مولانا آزاد اور سروجنی نائیڈو کی زبانوں پر تک ہریں لگ جاتی تھیں۔ لاہور میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہو رہا ہے (سابقہ) پنجاب میں حکومت اور خاکساروں کی ہنگامہ آرائیوں نے مسلم عوام میں بے چینی پیدا کر دی ہے مجمع میں انتشار پیدا ہو چلا تھا مضطرب مجمع کا سیلاب روکے نہ رکتا تھا قائداعظم کی جبین پر شکن پڑ گئی وہ اٹھے اور اعلان کیا۔

:: "اب بہادر یار جنگ تقریر کریں گے۔"

یہ جملہ جیسے سارے مجمع کو سانپ کی طرح سونگھ گیا۔

بہادر یار جنگ اپنے تنومند قد آور جسم کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اپنے نطق معجزہ اثر سے پردہ سکوت کو چاک کیا اور بولتا ہی رہا مجمع پر گہرا سناٹا طاری ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے لاہور گونگا ہو گیا ہے جیسے سارا لاہور چپ ہو گیا ہے ــــ

مسلسل کئی گھنٹے بولنے کے بعد جب وہ چپ ہوا تو ہر گوشہ شکوہ سنج تھا کہ ابھی سماعت کی پیاس نہیں بجھی ہے ابھی کان تیری آواز کو ترس رہے ہیں بہادر خاں جب چپ ہو گیا تو مجمع نے قائداعظم سے درخواست کی کہ اب ہم آپ کی مخاطبت کے لیے بے چین ہیں مگر قائداعظم نے اٹھ کر بھرے مجمع میں حقیقت کا اعتراف کیا کہ

"بہادر یار جنگ کے بعد کسی اور کا بولنا غلطی ہے۔"

بہادر یار جنگ نے اپنی صدائے جگر گداخت سے غلام ہندوستان کی کتنی بھیانک راتوں کے اندھیروں کو پگھلایا ہے اس کا ذکر کس طرح کیا جائے البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ بہادر یار جنگ کی نوائے دل گداز سے گونجتی ہوئی ہندوستانی کرنیں شہرہ آفاق الف لیلہ سے بھی زیادہ قیمتی تھیں۔ زندگی بھر وہ اپنی آواز کے حربے سے ظلم کی اندھیری رات کو کاٹتا رہا تراشتا رہا تاکہ آزاد ہندوستان کی ایک آزاد زمین پر ایک جگمگاتی سحر طلوع کرے بہادر یار جنگ کی شوخیٔ گفتار کے ایک نہیں بیسیوں واقعات ہیں بقول ایک مداح کے

"جب بہادر یار جنگ کی آواز فضا میں بلند ہوئی تو یوں محسوس ہوا جیسے ہندوستان کے بے عمل اور بے راہ مسلمانوں پر دوبارہ قرآن نازل ہو رہا ہے۔"

اپنے عالی شان محل کے پھاٹک سے باہر نکلنے کے بعد اسکی نگاہوں کو خیرہ کرنے والے بہت سے مقامات نظر آئے سونے چاندی کے کئی ڈھیر حکومت کے عہدوں کی اونچی اونچی کرسیاں، مسند، قیادت، غرض کہ ہماری ارضی نعمتیں اس کی طرف بڑھیں مگر

"وہ درویش خدا پرست ان سب کمندوں پر مسکراتا ہوا نکل گیا۔"

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا وہ شاہین کہیں زیر دام نہ آیا جب اس کی جاگیر بھی چھن گئی تو اس نے فرمایا

"یہ تو بہت مبارک ہوا کہ دیوانہ کوچۂ محبت میں جیب و دامن کی فکر

سے بھی آزاد ہو رہا ہے۔"

اور جب اس کا خطاب واپس ہو گیا تو اس نے فرمایا

"نہ جان میری نہ مال میرا رہا خطاب کا مسئلہ تو مجھے اپنے ماں باپ کا دیا ہوا نام جس قدر عزیز ہے اس قدر تو یہ خطاب عزیز نہیں ہو سکتا۔"

وہ جب اپنے محل سے نکلا تو تنہا تھا۔

جب وہ دار السلام پہنچا تو ایک کروڑ پچھتر لاکھ عوام میں گھر گیا اور پھر جب وہ دہلی گیا تو بہادر خاں ایک واحد شخصیت نہیں رہا بلکہ

دس کروڑ مسلمانوں کا نام بن گیا۔

اور یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ دیکھنے والے آنکھیں جھپکتے رہ گئے مگر وہ جس تیزی سے افق سیاست پر طلوع ہوا اسی تیزی کے ساتھ غروب ہو گیا اس نے اس دنیا کی صرف بہاریں دیکھی تھیں اس کو ابھی اور جینا تھا۔

وہ آسمان سیاست پر جس حیرت انگیز طریقے سے بلند ہوا بالکل اسی پُراسرار انداز میں دنیا سے چلا گیا۔ حیدر آباد کے ایک نواب کے حقہ (تمباکو میں زہر ملا دیا گیا تھا) کے ایک ہی کش کے ذریعہ اس کی ساری صحت مند زندگی قید جسم سے آزاد ہو گئی۔

سارا حیدر آباد غم و غصہ سے گھروں سے باہر نکل آیا ہر سڑک پر میلوں تک انسان ہی انسان کھڑے یہ پوچھ رہے تھے کہ

"کیا بہادر یار جنگ جیسا قوی ہیکل انسان حقہ کے ایک

کش سے مرسکتا ہے۔ جواب نظام کے قصر "کنگ کوٹھی" کی اونچی دیواروں میں چھپا ہوا تھا۔"

محمد عظیم الدین محسن

بہادر یار جنگ

محمد بہادر خاں ۳ر جنوری ۱۹۰۵ء کو شہر حیدرآباد میں پیدا ہوئے ان کا سلسلۂ نسب قدیم افغان قبیلہ سدوزئی سے ملتا ہے۔ ان کے اجداد نے احمد شاہ ابدالی کے زمانے میں ہندوستان کا رخ کیا تھا۔

بہادر خاں ابھی سات ہی دن کے تھے کہ ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا ان کی نانی نے پالا پوسا چودہ برس تک وہ نانی کے زیر تربیت رہے نانی نیک دیندار اور خدا ترس خاتون تھیں۔ وہ تلاوت قرآن اور ادائی نماز میں بہادر خاں کے ساتھ غفلت نہیں برتی تھیں اگر کسی دن بہادر خاں تلاوت نہ کرتے تو نانی کہتیں کہ آج تم نے اللہ سے باتیں نہیں کیں۔ میں تم سے بات نہیں کروں گی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ عالیہ، مفید الانام اور پھر حیدرآباد کی قدیم درسگاہ دارالعلوم میں ہوئی۔ میٹرک کا امتحان دینے سے قبل ہی سلسلۂ تعلیم منقطع ہوگیا۔ خانگی طور پر مولوی سعادت اللہ خاں اور مولوی سید اشرف شمسی سے عربی کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا شمسی تفسیر، فقہ اور حدیث کے جید عالم تھے

انھوں نے بہادر خاں کے شوق و انہماک کو دیکھ کر بے حد دلچسپی سے ان علوم کی تعلیم دی۔ طالب علمی کے زمانہ میں ایک خواب دیکھا کہ ایک تازہ قبر کھدی ہوئی ہے جس میں انھیں کفنا کر لٹایا گیا ہے اور خلق کا اژدحام ہے۔ صبح جب یہ خواب علامہ شمسی کو سنایا تو انھوں نے مسکراتے ہوئے تعبیر دی کہ "تمھیں مسلمانوں کی قیادت حاصل ہوگی"۔ . . . . محمد بہادر خاں کی عمر ابھی آٹھ دس برس کی تھی کہ والد کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ والد نے ایک تو بھائی کا غم دیا دوسرے جاگیر کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ترکہ میں ۵ لاکھ روپے کا کثیر قرضہ بھی دیا۔

نوبت، نقارہ، ڈنکہ، پالکی جاہ و حشم میں پلا ہوا بہادر خاں مصیبتوں کے گرداب میں پھنس گیا۔ بہادر خاں ان مصائب و حوادث سے پریشان ہوئے مگر مایوس نہیں ہوئے۔ نہایت صبر و استقلال اور ہوش مندی سے ایک ایک مشکل پر قابو حاصل کرتے گئے بالآخر آٹھ سال کے عرصہ میں وہ اس قابل ہو گئے کہ جاگیر کی پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیاں سلجھ گئی تھیں۔ قرضہ داروں نے دروازہ کھٹکھٹانا بند کر دیا تھا۔ جاگیر کے اندرونی انتظامات بہتر ہو چکے تھے اور اب آمدنی و خرچ کے میزان میں بچت بتدریج بڑھتی جا رہی تھی۔ جب پانچ لاکھ کے قرضہ کے بار گراں سے نجات ملی اور جاگیر کے حالات ہر طرح درست ہو گئے خسارہ کا اندیشہ نہ رہا اور خزانہ میں بچت کی مد محفوظ بھی کافی سے زیادہ ہو گئی تو بہادر خاں نے اطمینان کا سانس لیا۔

رنج و غم اضطراب و پریشانیاں راحت و سکون اور خوشحالیوں میں بدل گئیں تو خداوند قدوس کے احسانات کا شکر بجا لانے کے لیے اپنے منشی سے کہا۔ اس سال ہم زیارت کعبہ کا شوق رکھتے ہیں۔ منشی نے کہا حضور کو برسوں

کے بعد اب ذرا سکون ملا ہے دو ایک سال بعد ارادہ فرمائیں۔ بہادر خاں نے ہنس کر کہا۔ کیا تم مجھ کو اپنی عمر کی گارنٹی دے سکتے ہو۔ چونکہ عزم راسخ تھا اور دوسری طرف سے بھی اپنے محبوب بندے کو دیدار کعبہ اور زیارت روضہ سے سرفرازی کی خوشخبری مل چکی تھی اس لیے ۱۹۳۱ء میں اپنے خاندان کے اسّی افراد کے ساتھ زیارت کعبہ سے مشرف ہوئے۔ اس سال حکومت کی جانب سے بھی حجاج کے قافلہ سالار بہادر خاں ہی تھے۔

بلاد اسلامیہ کا سفر بہادر خاں نے چودہ ماہ تک کیا۔ ان کا یہ سفر تفریحی نوعیت کا نہ تھا بلکہ انھوں نے اسلامی ممالک اور مسلمانان عالم کی سیاسی مذہبی اقتصادی عمرانی اور معاشرتی زندگی کا بغور مطالعہ کیا۔ ان کی غفلت و پستی کے اسباب پر نظر ڈالی۔ عراق، شام فلسطین، تل ابیب، وسط ایشیا، مصر، ترکی، ایران، افغانستان وغیرہ کے مسلمانوں کی زندگی کا تفصیلی جائزہ لیا۔ عرب ممالک میں عربوں کا انتشار بھی دیکھا، بیت المقدس میں یہودیوں کی شیرازہ بندی بھی دیکھی۔

۱۹۲۷ء میں بہادر خاں نے مجلس تبلیغ اسلام قائم کی اور حیدرآباد کے مختلف قصبات، دیہات اور تعلقہ جات اور اضلاع میں ایک ایک مبلغ کو مقرر کیا جس کا کام انتہائی ضبط و نظم اور جوش اسلامی سے اسلام کی تبلیغ کرنا اور غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کرنا تھا۔ خود بھی گھاچر، بیل گاڑی میں مختصر سامان کے ساتھ دور دراز کا سفر کرتے اور غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی تبلیغ کرتے تھے اور وہ جاہل مسلمان جو صرف نام کے مسلمان ہیں جنھیں نماز تو نماز کلمہ سے بھی واقفیت نہ تھی ان کے سامنے ٹھیٹ دکنی زبان میں تبلیغ کرتے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس قلیل عرصہ میں پانچ ہزار بے دین اور بت پرست حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

راس کماری سے کشمیر تک بہادر یار جنگ کی خطابت کا سحر کارفرما تھا۔ ہندوستان میں علامہ مشرقی نے خاکسار تحریک شروع کی تو بہادر خاں نے اس جماعت کے دستور اور لائحہ عمل کا مطالعہ کیا تو عسکری تنظیم کی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے خود بھی اس تحریک سے وابستہ ہوئے اور اس طرح ہوئے کہ خاکساروں کا یونیفارم زیب تن کیا شانہ پر بیلچہ رکھا اور دپ راست کہتے ہوئے شاہراؤں پر مارچ پاسٹ بھی کیا۔ بہادر خاں کی شرکت سے اس تحریک کو عروج حاصل ہوا۔ ۱۹۴۳ء میں ایک ناعاقبت اندیش خاکسار نے قائداعظم محمد علی جناح پر بمبئی میں ان کی قیام گاہ پر قاتلانہ حملہ کیا تو بہادر خاں نے اس تحریک سے علیحدگی اختیار کرلی۔

مجلس اتحاد المسلمین کا احیاء

۱۹۳۸ء کا زمانہ حیدرآباد میں آریہ سماج تحریک کے سر اٹھانے کا زمانہ تھا۔ ۱۹۳۹ء میں کانگریسی لیڈروں کے اشارے پر آریہ سماج کے جتھے کے جتھے شہر حیدرآباد میں آکر ستیہ گرہ کرتے ہوئے گرفتار ہو کر جیل کو بھرتے جارہے تھے اور تقاریر سے فضا کو زہر آلود کر دیا تھا۔

بہادر خاں نے موقع کی نزاکت کو سمجھا آنے والے طوفان کا اندازہ لگایا اور دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے مسلمانانِ دکن کی بقا کے لیے ایک پلیٹ فارم کو ناگزیر سمجھ کر ایک خفیہ انجمن یعنی مجلس اتحاد المسلمین میں تازہ روح پھونکی مجلس اتحاد المسلمین کا مقصد کسی قوم یا کانگریس پر شب خون مارنا نہ تھا بلکہ پرچم آصفی اور مسلمانانِ دکن کے جائز حقوق کی حفاظت کرنا تھا۔ اتحاد المسلمین کے جلسوں کے ذریعہ بہادر خاں نے مسلمانانِ دکن کے اذہانِ فکر کے گوشوں کو

سیاسی شعور سے مالامال کر دیا۔

انھوں نے شہنشاہیت ملوکیت اقتدار اعلیٰ جیسے مسائل پر روشنی ڈال کر یہ بات واضح کر دی کہ مسئلہ وفاق جو ریاست کے لیے بہت اہم مسئلہ تھا یہ بہادر خاں ہی تھے جنھوں نے ملک کے چپہ چپہ میں تقریریں کر کے عوام اور حکمران طبقے کی آنکھیں کھول دیں۔

اس وقت بہادر خاں کو وزارت کا لالچ دیا گیا، شہر بدر کرنے کی دھمکی دی گئی، زبان بندی کا خوف دلایا گیا، گرفتار کرنے کی افواہیں پھیلائی گئیں اور جاگیر ضبط کرنے کا بم پھینکا گیا لیکن اس وفا شعار جری، بے باک اور سرفروش مجاہد وطن کے عزائم متزلزل نہ ہوئے بلکہ ان حربوں کا الٹا ہی اثر ہوا۔ ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا اور ان کی خطابت کا سحر حیدر آباد سے گزر کر راس کماری سے لے کر کشمیر تک چھا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں ہی علیحدہ علیحدہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی فلاح کے لیے زبردست جد و جہد میں دن رات مصروف تھے۔ گاندھی آشرم نے اسٹیٹ کانگریس کے لیبل سے آریہ سماجی اور جد بھائی قتنوں کو دیسی ریاستوں میں بھیج کر ایک مورچہ قائم کر دیا تھا جس کا مقصد ہندوؤں کی تنظیم کے پردے میں دیسی ریاست میں بسنے والے مسلمانوں کے خلاف جبر و تشدد خوف و ہراس کے ذریعہ خوف پھیلانا تھا جے پور، راجکوٹ، جودھپور، گوالیار اور کشمیر میں مسلمانوں کو مظالم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ ان حالات میں بہادر خاں تلملا اٹھا جو قدرتی امر تھا۔ انھوں نے دیسی ریاستوں میں مسلمانوں کی تنظیم اور بقا کے لیے آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ بنی اور دیکھتے ہی دیکھتے آل انڈیا مسلم لیگ کے ہم پلہ ایک اور جماعت

بن کر کانگریس کو للکارنے لگی۔

مسلم لیگ سے وابستگی

بہادر خاں کو مسلم لیگ کے قائد اعظم محمد علی جناح سے زبردست محبت اور والہانہ عقیدت تھی اور ان کا یہ خلوص بعد میں عشق کے درجے میں داخل ہو چکا تھا۔ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قائد اعظم کو ان کی پوری سیاسی زندگی میں بہادر خاں جیسا مخلص ساتھی کوئی اور میسر نہ آسکا۔ مسلمانان ہند نے جس کو قائد اعظم کا خطاب دیا وہ خود بول اٹھتا ہے کہ نواب بہادر یار جنگ بڑے نازک موقع پر میرے لیے معین اور رہبر ثابت ہوئے۔ قائد اعظم کا یہ ایک ہی جملہ بہادر یار جنگ کی عظمت اور مسلم لیگ سے در پردہ وابستگی کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔

سرحد میں مسلم لیگ کا پرچم

غلام محمد بی اے عثمانیہ نے حالات قائد اعظم میں لکھا ہے کہ آپ نے تاریخوں میں شمشیر و سناں، توپ و تفنگ والے فاتحین کا ذکر پڑھا ہوگا مگر آپ کو قائد ملت کی تنہا ہستی ایسی نظر آئے گی جس نے اپنے اعجاز سے سارا ہندوستان فتح کر لیا تھا۔ اعجاز خطابت نے بیمار ہندی مسلمانوں کی سوئی ہوئی غیرت کو جگایا اور سرد لہو کو گرما دیا۔ کیا حلیف و کیا حریف سب جانتے ہیں بہادر خاں نے ہندوستان کے جس خطے میں تقریر فرمائی وہاں فضاؤں میں مسلم لیگ کا سبز ہلالی پرچم بڑے کروفر سے لہرایا۔ چنانچہ سرحد کی سنگلاخ زمین پر مسلم لیگ کا پرچم لہرانا حضرت قائد ملت کی سحر خطابت کا ایک حیرت انگیز معجزہ ہے سرحد کی فضا مسلم لیگ کے لیے قطعی طور پر ناسازگار تھی۔

لاہور کا تاریخی اجلاس ـــــ تجویز پاکستان

۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کی شام لاہور میں خاکساروں پر گولی چلی دو دن بعد لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا وہ تاریخی اجلاس ہونے والا تھا جس میں تجویز پاکستان منظور ہوئی۔ خاکساروں کی ہنگامہ آرائیوں نے مسلم عوام میں بے چینی اور انتشار پیدا کر دیا تھا۔ مجمع قابو سے باہر تھا قائداعظم محمد علی جناح کی آواز کا جادو بھی کام نہیں کر رہا تھا۔ اس وقت قائداعظم نے اسٹیج پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ اب بہادر خاں تقریر فرمائیں گے۔ یہ آواز کیا گونجی کہ بے چین و مضطرب مسلمانوں کا سیلاب دیکھتے ہی ساکت ہو گیا۔

بہادر خاں کے نام سے سارے مجمع پر ایک سناٹا طاری ہو گیا اور پھر جب بہادر خاں کے نطق معجزہ اثر نے طلسم خاموشی توڑا تو بقول میاں بشیر احمد ایڈیٹر ہمایوں "سارا مجمع پتھر ہو کر رہ گیا"۔ اس تقریر کے بعد قائداعظم نے بڑی مسرت اور فخر سے کہا کہ بہادر یار جنگ کے بعد کسی اور کا بولنا غلطی ہے۔

وفات

۳ رجب ۱۳۶۳ھ م ۲۵ جون ۱۹۴۴ء کو بہادر یار جنگ ایک بے تکلف دوست اور رکن عدالت العالیہ ہاشم علی خاں کے یہاں رات کو دعوت میں مدعو تھے کھانے میں بھی ابھی دیر تھی۔ بہادر یار جنگ اقبال کے ایک شعر کی تشریح کر رہے تھے۔ سامنے ہی حقہ لا کر رکھا گیا۔ بہادر یار جنگ نے جوں ہی حقہ کا پہلا کش لیا ایک زبردست ٹھسکا لگا اور دورہ کی کیفیت پیدا ہو گئی طبی امداد پہنچنے سے قبل روح پرواز ہو گئی۔ دوسرے دن حضور نظام نے بیت الامت پر جا کر مرحوم کی بیگم سے تعزیت کی اور بہادر یار جنگ کا آخری

دیدار فرمایا تو بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا۔
"یہ مسلمانوں کے قلوب کے بادشاہ تھے۔" جنازے میں لاکھوں سوگوار منہ لٹکائے سر نیوڑھائے تصویر غم بنے آہ و بکا کرتے ہوئے اپنے قائد کی ابدی آرام گاہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

کلیم الدین انصاری
حیدرآباد ٹرسٹ

بہادر خاں کی یاد میں

ایک شہاب ثاقب تھا جو دکن میں روشن ہوا، اور برعظیم ہندوستان کی فضا کو منور کرتا ہوا قبل اس کے کہ لوگ اس کو دیکھ پائیں دفعتہً بجھ گیا۔

یہ ہے بہادر یار جنگ کی سوانح عمری ـــــ بہادر خاں جاگیردار تھے اور جاگیرداری ماحول کی پیداوار تھے۔ لیکن قدرت اپنے کرشمے دکھانے میں بخیل نہیں ہے۔ اگر عرب کے صحرا نشینوں میں محمد عربی صلعم جیسی ہرگزیدہ ہستی پرورش پاسکتی ہے جس نے دنیا کو اپنے نور سے منور کر دیا تو بہادر خاں کا جاگیرداری ماحول میں بہادر یار جنگ بن جانا تو ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بہادر یار جنگ کی عظمت ان کے زور خطابت میں تھی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے عالی مرتبت تھے، لیکن خطیب اور بھی تھے اور عالم ان

سے بڑھ چڑھ کر بھی تھے لیکن ان میں سے کسی کو یہ مقام نصیب نہیں ہوا تھا اور میری رائے میں بہادر یار جنگ کی عظمت کا راز دل دردمند میں پوشیدہ تھا جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ان کی دردمندی کا اثر تھا کہ خلوت میں جب کوئی شخص ان سے گفتگو کرتا تھا تو یہ محسوس کرتا تھا کہ اس شخص سے بڑھ کر میرا کوئی خیر خواہ نہیں ہے اور جب وہ منبر پر زورِ خطابت کا مظاہرہ کرتے تھے تو ہر شخص کی زبان پر ہوتا تھا ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اوائل عمری سے ان کی طرزِ گفتگو اور طور و طریق ایسا تھا کہ ان کے خاندان والے یہ محسوس کرتے کہ یہ بچہ کچھ عجیب سا ہے وہ نہیں جانتے کہ آذر کے گھر میں ایک ابراہیم کی پرورش ہو رہی ہے۔ ان کی تعلیم تربیت خالص مشرقی انداز میں ہوئی اور علوم مشرقیہ کی حد تک محدود رہی لیکن اس نوجوان صالح میں علم کی پیاس ایسی تھی کہ عربی فارسی کے ذریعہ جس حد تک وہ اپنی تشنگی رفع کر سکتا تھا اس نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس کے بعد مزید علم کی جستجو اور دنیا کو سمجھنے کی آرزو نے اس کو سفر پر آمادہ کیا۔ چنانچہ عین نوجوانی میں جب کہ بہتیرے نوجوان جنھیں خدا نے دولت دی ہو دادِ عیش دینے میں مصروف رہتے ہیں۔ نواب موصوف نے تمام ممالک اسلامی کی سیاحت کی۔ سیاحت کے دوران یہ حقیقت ایک ایمان بن گئی کہ سیرتِ نبوی کو پیش نظر رکھنے اور اپنے لیے نمونہ بنانے ہی میں مسلمانوں کی فلاح و نجات ہے۔ سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر اور ان کے نکات پر جن لوگوں نے ان کی تقریروں کو سنا ہے وہ عالمانہ شان اور

خطابت اور سب سے بڑھ کر شانِ نبوت کے رازدار اُن مظاہرے پر سر دھنے بغیر نہ رہ سکے سیرت پر ان کی تقریروں کی شہرت دور دور پہنچی اور ریاست کے باہر سے بھی انھیں تقریروں کے لیے مجبور کیا جانے لگا۔

حیدرآباد میں ہندو کی سیاست ایک عرصہ سے یہ تھی کہ کسی طرح مسلمانوں کی حکومت سے نجات حاصل کی جائے لیکن مسلمان کی کوئی سیاست نہ تھی اس کی زندگی کی معراج یہی تھی کہ پڑھ لکھ کر اعلیٰ ملازمت اختیار کر لے۔ حیدرآباد میں سر اکبر حیدری کا دورِ وزارت بڑی تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا، جہاں تک ملک کی سیاست کا تعلق تھا کچھ تو وہ ہندوؤں کے ایجی ٹیشن سے مرعوب تھے اور کچھ ان کے ذاتی خیالات سے بھی ... کہ ہندو اکثریت کو رفتہ رفتہ حکومت کا موقعہ ملنا چاہیئے۔ اگر ہندو اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر نیک نیتی کے ساتھ مسلمانوں سے سودا کرنے پر آمادہ ہوتے تو وہ بہت فائدے میں رہتے۔ اس لیے کہ مسلمان بالطبع آزاد خیال ہے۔ دوسرے یہ کہ حیدرآباد کے نوجوانوں میں تعلیم نے جو ترقی کی تھی اس نے مسلمان نوجوانوں میں ترقی پسندانہ خیالات کافی سے زیادہ پیدا کر دیئے تھے۔

چنانچہ یہ معلوم کر کے شاید تعجب ہو کہ آئینگار کمیشن کو جامعہ عثمانیہ کے طلبا میں انجمن نے جو یادداشت پیش کی تھی اس میں مقصود ذمہ دارانہ حکومت قرار دیا تھا اور بلا تحفظ نشست مشترکہ انتخابات کی حمایت کی تھی۔

لیکن ہندوؤں نے بڑی بے صبری کا مظاہرہ کیا اور چاہا کہ ایک ہی وار میں مسلمانوں کا قلع قمع کر دیا جائے۔ ہندوؤں نے پیپلس کنونشن کے نام سے ایک جماعت بنائی اور ابوالحسن سید علی، اکبر علی خاں، عبداللہ پاشا، سید محمد احسن

میر حسن الدین اور راقم الحروف کو بھی نیشنلسٹ مسلمان کے تصور پر مدعو کیا۔
کنونشن میں جب مسلمانوں اور ہندوؤں کے بالمقابل حقوق کا سوال پیدا ہوا تو ہندوؤں نے نہایت مربیانہ انداز میں کہا کہ مسلمانوں کے ساتھ رعایت کی جائے گی۔ وہ بتائیں کہ کیا مانگتے ہیں۔ جس کا یہ مطلب تھا کہ مسلمانوں کو خیرات کے طور پر کچھ دینے کے لیے آمادہ ہیں۔ ہندوؤں کے اسی انداز نے اکبر علی خاں کے علاوہ تقریباً سب مسلم نمائندوں کی نیشنلزم کا خاتمہ کر دیا۔ اور انھوں نے پلٹ کر جواب دیا کہ مسلمانوں کو اس وقت سب کچھ حاصل ہے البتہ ہندو بتائیں کہ وہ کیا مانگتے ہیں۔ اس کے بعد مسلمان اس کنونشن سے علیحدہ ہو گئے۔ مجلس اتحاد المسلمین اس وقت تک محض علمی و ثقافتی انجمن تھی۔ اور مسلمانوں میں بھی بہت کم معروف تھی۔

مسلمانوں کا کوئی دوسرا ادارہ نہ تھا جو مسلمانوں کا نمائندہ تصور کیا جا سکتا تھا بہادر خاں کی قیادت میں مجلس اتحاد المسلمین نے بھی اصلاحات کے متعلق آئینی کمیشن میں یادداشت پیش کی۔ کنونشن سے نکلے ہوئے مسلمانوں نے بھی مجلس میں شرکت کی اور ابوالحسن سید علی کی وجہ سے نواب مرحوم کو ایسا مددگار مل گیا کہ مجلس اتحاد المسلمین کو سیاسی جماعت میں تبدیل کر دیا گیا اور بہادر یار جنگ مسلمانوں کے قائد تسلیم کر لیے گئے۔ ہندوؤں سے مصالحت کی کئی مرتبہ گفتگو ہوئی۔ جن میں بہادر یار جنگ اور نرسنگ راؤ کی گفتگو اس لیے اہم ہے کہ شرط یہ تھی کہ گفتگو کے ختم سے پہلے بہادر یار جنگ ہر مکتب خیال کے مسلمانوں سے اور نرسنگ راؤ ہر مکتب خیال کے ہندوؤں سے خط اعتماد حاصل کر لیں گے گفتگو تقریباً کامیاب ہو چکی تھی اور ہر مکتب خیال کے مسلمانوں نے بہادر یار جنگ کو خط اعتماد دے دیا لیکن نرسنگ راؤ اپنی گفتگو

کے نتائج کے مدنظر ہندوؤں کا اعتماد حاصل نہ کر سکے۔ اصلاحات کے سلسلہ میں جو جدوجہد ہوئی اور مسلمانوں کی جس طرح رہنمائی ہوئی اس سے دکن کا بچہ بچہ واقف ہے۔

نواب مرحوم کا ایک ہی ادعا تھا۔ اگر جمہوریت اور ذمہ دارانہ حکومت کے معنی یہ ہیں کہ مذہب کی بنیاد پر اکثریت کا راج ہمیشہ کے لیے ہو جائے تو مجھے ایسی جمہوریت اور ذمہ دارانہ حکومت نہیں چاہیئے اور میں آخری وقت تک اس کی مزاحمت کروں گا۔

اور ہم سب لوگ واقف ہیں کہ ہندوستان میں لیگ اور قائداعظم کا بھی یہی ارشاد تھا کہ جمہوریت میں کبھی ایک جماعت کو اکثریت حاصل ہوتی ہے تو کبھی دوسری جماعت کو لیکن جہاں ایک اکثریت دوسری اقلیت کو مذہب کی بنیاد پر ہمیشہ کے لیے غلام بنانے کی فکر میں ہو تو ایسی جمہوریت اور ایسی آزادی نہیں چاہیئے۔

بہادر یار جنگ نے جیسے ہی مسلم لیگ کے جلسوں میں تقریریں شروع کیں اور جب لیگ کے جلسہ میں پہلی مرتبہ زبان کھولی اسی دن سے انھوں نے جمیع مسلمان ہند کے قلوب پر قبضہ کر لیا، اور پھر تو یہ حال ہو گیا کہ جناح صاحب کی انگریزی تقریر کی اردو تقریر کے لیے بہادر یار جنگ وقف ہو گئے۔

نواب مرحوم کے علم و فضل اور خطابت، سوجھ بوجھ اور دل دردمند کو دیکھ کر قائداعظم اور تمام مسلم لیگی رہنما نہ صرف دلوں میں بلکہ علانیہ طور پر کہنے لگے کہ ایک دن ہندوستان کی مسلم سیاست میں بہادر یار جنگ کے لیے ایسی جگہ نکالنی پڑے گی جو تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی۔ صرف ہندوستان

ہی نہیں بلکہ آپ کی شہرت مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک میں پھیلنے لگی۔ اور اسلامی ممالک کے ہر لیڈر کے لیے تقریباً ضروری ہو گیا کہ ہندوستان آئے تو حیدرآباد ضرور آئے اور نواب مرحوم کے مہمان بنے اور ان کی قدر و عزت اپنے دل میں لیے جائے۔

لیکن جہاں قدرت ایسے جوہر قابل پیدا کرنے میں فیاضی دکھاتی ہے بعض اوقات ستم ظریفی بھی کر بیٹھتی ہے۔ چنانچہ یہ غنچہ ابھی کھل کر اپنی مہک سے عالم اسلامی کو پوری طرح معطر نہ کر پایا تھا کہ بادِ سموم کے ایک ہی جھونکے سے مرجھا گیا۔

سیاست میں بہادر یار جنگ نے اپنے ذہن و دماغ کو ہمیشہ کھلا رکھا اس کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کے رفقائے کار اور ہم عصر ان سے تبادلہ خیال میں لذت محسوس کرتے تھے اور مخالف نے بھی اپنا نقطہ نظر سمجھانے میں کبھی دشواری محسوس نہیں کی۔

حیدرآباد کے لوگ مرحوم کو قائدِ ملت کہا کرتے تھے۔ قائد ملت اور قائد اعظم کے تعلقات عجیب تھے۔ ایک مشرقی علوم و فنون کے عالم اور سیرت نبوی کے رازداں نے سیاست میں کسی کو اپنا امام تسلیم کیا تو وہ ایسا شخص تھا جو مغربی سیاست کا ماہر اور مغربی علوم و طرز تمدن کا خواص تھا۔ قائد ملت قائد اعظم کا نہ صرف لیڈر کی حیثیت سے احترام کرتے تھے بلکہ ان کے ساتھ ایسے خلوص و اطاعت و محبت کا اظہار کرتے تھے جیسے کہ ایک سعادت مند بچہ اپنے باپ کے ساتھ کرتا ہے۔ قائد اعظم کی طرف سے اس خلوص اور محبت کا جواب یہ تھا کہ آداب و تکلفات کی ساری دیواریں ٹوٹ چکی تھیں۔ نواب مرحوم قائد اعظم کی کوٹھی میں مقیم ہیں۔ قائد اعظم مسلمانوں کے مستقبل کی اسکیم

بنانے میں مصروف اور قائد ملت مطالعہ میں منہمک ہیں۔ رات کے دو بج جاتے ہیں۔ قائداعظم نواب بہادر سے فرمائش کرتے ہیں نوکر کو نہ جگاؤ۔ نعمت خانہ سے چائے بنانے کا سامان نکال لاؤ۔ اور کتب خانہ ہی میں دونوں مل کر چائے تیار کرتے ہیں۔ قائداعظم بہت مسرور ہیں اور چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نواب بہادر میں مسلمانوں کے لیے وہی کام کر رہا ہوں جو ہینڈنبرگ نے کیا تھا۔ اس نے ہٹلر کے لیے میدان ہموار کر دیا تھا اور جرمن قوم کو بام عروج پر پہنچانا ہٹلر کی قسمت میں تھا۔ (یہ ہٹلر کے عروج کا زمانہ تھا) میں بھی افق میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے بعد ایک شخص پاکستان کو بام عروج تک پہنچائے گا۔

نواب بہادر جواباً عرض کرتے ہیں:۔

قائداعظم تم سلامت رہو ہزار برس

اور پھر قہقہوں کے ساتھ یہ گفتگو ختم ہو جاتی ہے۔ نہ معلوم قائداعظم کے ذہن میں وہ کون شخص تھا جو ان کے بعد پاکستان کو بام عروج تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اگر وہ افتخار نواب بہادر کو مرحمت فرما رہے تھے تو افسوس کہ یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی۔ کسے خیال تھا کہ وہ دن دور نہیں ہے کہ قائداعظم کو نواب بہادر کی وفات پر آنسو بہاتے ہوئے یہ کہنا پڑے گا۔

"مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلم ہندوستان کا ایک اہم ستون وقت سے پہلے منہدم ہو چکا ہے۔ میرے بازو شل ہو چکے ہیں اور دماغ معطل۔"

(قائداعظم)

محمد عبداللہ المدوسی

قائدِ ملّت کی شخصیت

تمام بڑے آدمیوں کی طرح قائدِ ملّت نواب بہادر یار جنگ مرحوم و مغفور کی زندگی بھی متنوع اور مختلف خصوصیات کی حامل تھی ان کی شخصیت پر اظہار خیال آسان نہیں ہے بہت سے ہم عصر افراد اور جماعتوں کی تاریخ کا تار و پود قائدِ ملت کی زندگی سے ملا ہوا ہے۔ اس لیے ان کی سیرت پر اظہار خیال سے زیادہ ان کی شخصیت کے چند نمایاں خدوخال بیان کرنے پر اکتفا کرنا مناسب ہوگا۔

قائدِ ملت مرحوم کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ مجلس اتحاد المسلمین کی قیادت اور اس کی جدوجہد سے ان کی ادبی قابلیت، نظم و نثر کی باریکیوں اور لطافتوں سے واقفیت ان کی امارت وقار انسانی ان کی وجاہت اور گرجدار آواز ان کا حسنِ اخلاق اور دلچسپ شخصیت ان کا وسیع اور کسی حد تک عمیق مطالعہ ان کی جدر آبادی تاریخ و روایات سے واقفیت اور اس سے بھی زیادہ مشرقی اور اسلام کی تعلیم سے آگاہی نے ان کی مضبوط و کامیاب قیادت کے لیے ضروری مسالہ مہیا کیا جس کے بغیر غالباً وہ اتنی جلد نہ تو منظر عام پر آسکتے تھے اور نہ اپنی خطابت و قیادت کا لوہا منوا سکتے تھے۔

ان کی کامیاب قیادت کا راز ان کی بے باکی و حق گوئی کے علاوہ مذکورہ

بالا خصوصیات تھیں لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں کہ اس قیادت کی کامیابی و استواری میں ایک بڑی خصوصیت ان کی قوت انفعالی کو نہ سمجھیں جس کے متعلق غالب نے کہا تھا ؎

ہنگامہ زبونیٔ ہمت سے انفعال
حاصل نہ کیجئے دہر سے عبرت کیوں نہ ہو

ان کے ذہن میں اتنا لوچ اور لچک تھی کہ وہ ہر صحیح اور طاقت معقول خیال کو جذب اور نمایاں کرتے تھے۔ قائد ملت مرحوم کو یہ نعمت وافر مقدار میں عطا ہوئی تھی۔ انھوں نے صرف میٹرک تک تعلیم پائی تھی لیکن اسی خوبی کی وجہ سے ان کا ذہن اچھوتے خیالات اور تمام موجودہ زمانہ کے افکار و تحریکات کا مظہر بنا ہوا تھا۔ اگر عمر وفا کرتی تو ان کی ذہنی بالیدگی اور بالغ نظری سے مل کر ان کی یہ خصوصیات ان کی شخصیت کو اور زیادہ کامیاب بنا سکتی تھی۔ میں نے ان کی ذہنیت کی تعمیر و تشکیل کا ایک سرسری تجزیہ اوپر پیش کیا۔ لیکن ان کی غیر معمولی ذہنیت اور دماغی صلاحیت سے زیادہ ان کے قلب و نظر کی صلاحیتیں بے مثال تھیں۔ اسلام کے مطالعہ و تہذیب اسلامی کے فیضان نے ان کی ذات کو بے پناہ بنا دیا تھا۔ ان کی جامعتی زندگی کی ابتدائی تقاریر کا جوش سوز دراصل انہی خصوصیات کا عملی ترجمان تھا۔ شاید ہی کسی رہنما نے کسی ملک میں اتنی جلد اور اتنی کم عمری میں کامیابی حاصل کی ہو جتنی قائد ملت نے حاصل کی۔ ان کا پیام ان کا مسلک ان کی جد و جہد ان کی سیاست خالص اسلامی تھی۔ مذہب و سیاست کا یہ صالح امتزاج مغرب زدوں کی مخالفت اور رکاوٹ کے طوفان میں مخالفوں کو ڈھکیلتا اور ملت اسلامیۂ دکن کی تاریخی، تہذیبی اور سیاسی ورثہ

کو محفوظ بناتا گیا۔ سیاست کی کوئی اور اساس کامیابی کی اتنی جلد ضامن نہیں ہو سکتی تھی۔ ان کی سیاست کی یہ مذہبی اساس دور منہاج اتنی عجیب غریب اور ساتھ ہی اتنی موثر و کامیاب ہے کہ آج تک وہ غیر متزلزل اور مستحکم نظر آتی ہے۔ وہ علامہ اقبال مرحوم و مغفور کے کلام کے بڑے دلدادہ تھے۔

اقبال کی شاعری اور ان کے افکار سے اپنے خیالات کی اصلاح اور تقویت کے لیے انھوں نے بڑی مدد حاصل کی ان کی قیادت کی کامیابی میں اقبال کے تصورات کا بڑا حصہ ہے۔ وہ موجودہ زمانے کی شخصیتوں میں اقبال کو اپنا روحانی پیشوا سمجھتے تھے۔

نواب صدیق علی خاں

عقیدت کے آنسو

فروغ شمع تو باقی رہے گا صبح محشر تک
مگر محفل سے پروانے تو رخصت ہوتے جاتے ہیں

علامہ اقبال، مولانا شوکت علی اور حاجی سر عبداللہ ہارون: انھی مفارقت کے بعد ہمارے آنسو خشک نہ ہونے پائے تھے کہ ایک دن صبح "گڑھی حبیب اللہ" میں جہاں ہمارا کیمپ تھا یہ وحشت ناک و دلخراش خبر ملی کہ یکایک نواب بہادر یار جنگ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ دل پاش پاش ہو گیا اس سانحہ عظیم کو باور

کرنا بعید از قیاس تھا۔ موت اور ظالم و بے درد موت نے دست تظلم اس قوم کے ایک جواں سال مجسمۂ ایثار و عمل پُر خلوص قائد پر دراز کیا۔ جو تنظیم کی ابتدائی منازل میں گذر رہی ہے۔ لیکن اس نے خدائے یا یزال کے اس حکم کو دُہرایا کہ ۔ کل من علیہا فان ۔

ہندوستان کے مسلمان سوچ رہے تھے کہ مولانا شوکت علی کی خالی جگہ کو کون پُر کر سکے گا۔ بہادر یار جنگ نے اس کمی کو نہایت حسن و خوبی کے ساتھ پورا کیا۔ مرحوم میں دو خوبیاں ایسی جمع ہو گئی تھیں جو شاذ و نادر ہی کسی لیڈر میں پائی جاتی ہیں۔

آپ قدامت پسند و جدت پسند مسلمانوں کے یکساں رہبر تھے۔ قائداعظم کے خطبات صدارت کو آپ ہمیشہ مذہبی رنگ میں سحر آفرین تقریروں کے ذریعہ عوام تک پہنچاتے تھے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی جماعت تسلیم کرانے میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ آپ ۱۹۳۸ء میں اکابرین قوم سے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ پٹنہ میں ایک معرانہ میں متعارف کرائے گئے اس وقت تک آپ کی فصاحت و بلاغت کی شہرت سلطنت حیدرآباد کے حد تک محدود تھی۔

آپ کی دو تقریریں "جو لاہور اور دہلی کے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کے نازک مواقع پر ہوئیں" درحقیقت معرکۃ الآراء اور بصیرت افروز تھیں۔ خاکسار مشتعل تھے اور دوسرے موقعہ پر نوجوانان قوم عمل کے لیے مضطرب۔ آپ نے اپنے "لسان الامت" ہونے کا ثبوت دیا۔ کراچی کی آخری تقریر کو بھی ہم فراموش نہیں کر سکتے۔ جب آپ نے بارگاہ یزدی میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ

دعا کی تھی کہ ان کی زندگی کی گھڑیاں دن اور برس قائد اعظم کی زندگی میں بڑھا دیئے جائیں۔

ناگپور میں آپ اکثر تشریف لایا کرتے تھے اور ناگپور کو آپ نے اپنا دوسرا وطن کہا تھا۔ اقلیت کے صوبوں کے مسلمانوں کے ساتھ کتنی ہمدردی اور محبت تھی اس کا اظہار مرحوم کے اس خط سے ہوگا جو انھوں نے میرے خط کے جواب میں لکھا تھا میں تقریباً تین ماہ جیل میں رہنے کے بعد رہا ہو کر آیا تھا۔ میری اہلیہ بستر مرگ پر پڑی ہوئی تھیں نوزائیدہ بچی دنیا میں صرف چند سانسیں لے کر رخصت ہو چکی تھی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے حکومت برسر پیکار تھی۔ اپنے پرائے ہو گئے تھے حتیٰ کہ صوبائی مسلم لیگ نے چند غلط فہمیوں کی بنا پر مجھے مسلم لیگ سے دو برس کے لیے علیحدہ کر دیا تھا اور اس کی اطلاع ہندوستان کے طول و عرض میں تمام مسلم لیگیوں کو کر دی گئی تھی۔ ملاحظہ فرمایئے انھوں نے کیا لکھا تھا۔

نواب بہادر یار جنگ بہادر ۳ر جنوری ۴۱ء

حیدرآباد

نواب صاحب مکرم و محترم راوت الطافکم

السلام علیکم و رحمتہ اللہ۔ آپ کا تار پونہ میں پڑھ کر سخت رنج ہوا۔ اللہ تبارک تعالیٰ آپ کو ان آزمائشوں میں ثابت قدم رکھے اور دنیا و آخرت کی کامیابیاں عطا فرمائے۔ آپ کی گرفتاری اور سزا کے حالات اخبارات میں غور سے پڑھتا رہا ہوں اس پر تو میری مبارک باد قبول فرمایئے۔ ہم اور آپ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں کیا معلوم کب آپ میری نسبت بھی اطلاعات سنیں۔ اس کے لیے ہم کو ہر وقت تیار رہنا چاہیئے لیکن اپنے گھر میں جن حادثوں کا آپ نے

ذکر کیا ان کو معلوم کر کے سخت رنج ہوا۔ خدا آپ کو صبر جمیل کی توفیق اور نعم البدل عطا فرمائے۔

میں نے شاہ صاحب اور عبدالرحمٰن خاں صاحب سے معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ کو صوبائی لیگ نے کس جرم میں سزا دی۔ براہ کرم آپ ہی اس کی تفصیل سے مطلع فرمائیے۔ مجھے سی، پی سے بہت دلچسپی ہے۔ یہ صوبہ غیروں کے دست نظام کا ایسا شکار ہوا ہے کہ یہاں مسلمانوں کا آپس کا نفاق و شقاق ان کی موت کے مترادف ہے۔ میری دلی تمنا ہے کہ مسلمانان سی پی و برار اپنے آپس کے اختلافات کو جلد سے جلد ختم کر کے ملت کے اہم تر مفاد کے لیے متحد ہو جائیں۔ افسوس کہ مسلمانوں کی دنیا کا کوئی گوشہ خدائی فرمان واعتصموا بحبل اللہ جمیعا کا مصداق نظر نہیں آتا۔ اگر مدراس میں آپ سے ملاقات ہوتی یا اگر اس سے قبل میں ناگپور سے گزرا تو آپ سے بالتفصیل گفتگو کروں گا۔ لیگ سے آپ کے اخراج کی تفصیل سے مطلع فرمائیے۔

مجھے یقین ہے کہ ان تمام مصائب میں آپ ثابت قدم رہیں گے۔ آپ کے نام کے دو جز "صدیق" اور "علی" آپ کے اندر مفاد ملت کے لیے ہر قسم کی قربانی اور مصائب میں استقامت کے جذبات کو آپ ہی بڑھا دیں گے اور آپ سے کوئی ایسی حرکت اس عالم رنج و مایوسی میں سرزد نہ ہوگی جو اختلافات کی اس خلیج کو اور وسیع کرے اور اس سے ملت کو نقصان پہنچے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ میرے اس ایقان کو پورا کرے۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمد بہادر خاں۔ عفی عنہ

فاتحہ خوانی و تعزیت کے لیے حیدرآباد گیا تھا۔ شہر خموشاں میں

ایک شعر دل مجاہد کو جس کے ادنیٰ سے اشارے پر ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمان سر بہ کفن ہو جاتے، منوں مٹی کے تلے سوتا پایا۔ جب میں اپنے تڑپتے اور دھڑکتے ہوئے دل پر قابو پایا تو قبر کے ایک گوشہ میں ایک ننھی سی قبر پر جس کا تعویذ قبر سے جدا ہو گیا تھا اور باریک جالی میں گھرا ہوا تھا میری نظر پڑی اور تعویذ میں گھڑی نما سنگ مرمر نصب تھا اور حسب ذیل عبارت تحریر تھی:

"نواب بہادر یار جنگ کی امیدوں کی ناشگفتہ کلی"

ایک بچی تھی جو ماں اور باپ کی نور نظر اور لخت جگر تھی۔ اب بیگم بہادر یار جنگ ہیں اور تلاوت قرآن پاک ہے قدر دان اور محبت شعار شوہر کی بے پناہ یاد میں ہمیشہ اشک فشاں ہیں۔ مجھے مخاطب کر کے فرمانے لگیں "آپ جیل گئے تھے اور جیل سے واپس آ گئے لیکن میرے سرتاج ایسی قید میں ہیں جہاں سے تا قیامت آزاد نہیں ہو سکتے۔

وہ اٹھ گیا جو پیکر احساس و درد تھا
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

بدر شکیب مرحوم

بہادر یار جنگ کا دور صدارت

اسلامیانِ ہند کی سیاسی تاریخ میں جس طرح سر سید، مولانا محمد علی

اقبال اور قائدِ اعظم اپنے عہد آفریں کارناموں کی وجہ سے زندہ و جاوید ہیں اسی طرح مسلمانانِ دکن کی حیاتِ سیاسی میں بہادر یار جنگ نے غیر فانی شہرت حاصل کی ہے۔ دکن میں سلطان شہید ٹیپو علیہ الرحمہ کے بعد اتنا بڑا مجاہد کوئی پیدا نہیں ہوا۔ حیدر آباد کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار اور سیاسی حیثیت سے منظم کرنے کے بعد ان کی آواز تنگنائے دکن سے نکل کر وسعتِ بیان کی خاطر ہندوستان کے وسیع و عریض خطہ کے ایک ایک گوشہ میں پھیل گئی۔ تحریک پاکستان کو آگے بڑھانے میں انھوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا، اور اپنی بے مثل خطابت، خلوص، جذبۂ خدمت اور سوز دروں سے مسلمانانِ ہند کے قلوب کو اس طرح گرمایا کہ برصغیر ہند کے مسلم زعماء کی صف اول میں ان کا شمار ہونے لگا، جس کی سرفہرست سرسید کا نام ہے۔

بہادر یار جنگ ایک عالم باعمل تھے۔ علوم دینیہ بالخصوص تفسیر قرآن و حدیث، فقہ، سیرت پاک اور تاریخ اسلام پر انھیں غیر معمولی تبحر حاصل تھا اقبال کی شاعری کے رموز و نکات سے شاعر مشرق کے بعد شاید ہی کوئی اتنا واقف ہو۔ علم و فضل کے ساتھ وہ ایک بے مثال خطیب تھے۔ اردو میں آج تک اتنا بلند پایہ فصیح البیان مقرر اور صاحب طرز خطیب پیدا نہیں ہوا۔

علم و فضل اور خطابت کے ساتھ ان کی وجاہت قد و قامت اور ان کی شخصیت عام لوگوں سے انھیں ایک ممتاز درجہ عطا کرتی تھی۔ ان کا قد چھ فٹ سے زیادہ اونچا جسم بھرا ہوا آواز گرج دار چہرہ پر داڑھی اور اس پر جامہ زیبی یہ چیزیں انھیں ہر محفل میں جاذب توجہ بنا دیتی تھیں۔

خلوص و محبت اخلاق و آداب تہذیب و شائستگی اور میل ملاپ

میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ کس و ناکس سے عمدگی سے پیش آنا دوسروں کی گفتگو اور نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کرنا اور اپنی رائے منوانے سے قبل اپنے مخالف سے اپنی تائید حاصل کرنا ایسے اوصاف تھے جو ان کی شان قیادت کو دوبالا کر دیتے تھے۔ ان سب سے زیادہ وہ پیکر خلوص تھے۔ رقیق القلب اتنے کہ معمولی سے معمولی واقعہ سے اتنے متاثر ہوتے تھے کہ آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتے۔

بہادر یار جنگ کی نشو و نما امارت کی گود میں ہوئی تعلیم میٹرک تک پائی تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا اور جاگیر کا سارا انتظام ان کے نوجوان کندھوں پر آپڑا پانچ سات سال کی شبانہ روز محنت کے بعد جاگیری قرضوں مستحقین کی خبر رسی اور متوسلین کی پرورش کا خاطر خواہ انتظام کر کے جاگیر کے مالیہ کو انھوں نے مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا جس کے بعد ہی حج بیت اللہ اور بلاد اسلامیہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ مدرسہ کی تعلیم کے دوران میں ان کے اندر غیر معمولی تقریری صلاحیتیں اجاگر ہو گئی تھیں اور ذاتی مطالعہ اور شوق نے انھیں علم کا ایسا شیدائی بنا دیا تھا کہ علوم اسلامی کی کوئی ایسی صفت نہ تھی جس میں انھوں نے کامل درک حاصل نہ کیا ہو۔ اردو کے علاوہ عربی اور فارسی زبان پر انھیں اتنا عبور تھا کہ ان زبانوں میں تقریر کرتے تھے۔ انگریزی میں بھی بڑی صلاحیت پیدا کر لی تھی اور اس میں بے تکان گفتگو فرماتے تھے۔ حج سے واپسی کے بعد انھوں نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ میلاد النبی کی محفلیں سب سے پہلے ان کی خطابت کی جولانگاہ بنیں اور دکن کا گوشہ گوشہ اور متعلقہ صوبجات کا ایک ایک علاقہ ان کی سحر انگیز خطابت اور اسلام کی خدمت گزاری کے

جذبۂ بے پایاں سے گونجنے لگا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے مطلع سیاسی پر انقلاب انگیز تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں۔ قانون وفاق ہند کے تحت اکثر صوبجات ہند میں کانگریسی وزارتیں قائم ہو چکی تھیں اور مسلمانوں کے حقوق پر چیرہ دستیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

کانگریس نے ہندوستانی ریاستوں میں اپنی عدم مداخلت کی پالیسی کو ختم کر کے ذمہ دارانہ حکومت کی تحریک شروع کر دی تھی۔ تاکہ وفاق کے مرکزی ایوان میں روسار کی نمائندگی کا حق ریاستوں کے عوام کو حاصل ہو جائے۔ اس تحریک سے کانگریس خود الگ رہی اور دیسی ریاستوں کی رعایا کے حقوق کے لیے ایک علیحدہ جماعت بنائی جس کے کارفرما جواہر لال نہرو تھے۔

حیدرآباد ایک اسلامی ریاست ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ ہندوؤں کے آنکھوں میں کھٹکتی تھی جہاں کا روایتی ہندو مسلم اتحاد مہاسبھا اور آریہ سماجیوں کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ ان دونوں اداروں نے حیدرآباد کے طول و عرض میں فرقہ وارانہ منافرت کی آپسی آگ پھیلائی کہ ۱۹۳۷ء میں پہلی مرتبہ شہر حیدرآباد میں فساد پھوٹ پڑا اور خود بہادر یار جنگ کے دو نوجوان بھانجے ہندوؤں کے ہاتھوں شہید ہوئے یہ ایسا وقت تھا کہ بہادر یار جنگ کے ایک ادنیٰ اشارہ پر حیدرآباد کی گلی کوچوں میں ہندوؤں کے خون سے ہولی کھیلی جا سکتی تھی لیکن انھوں نے انتہائی ضبط سے کام لے کر مسلمانوں کے جذبات کو اپنے قابو میں رکھا۔ ان کا یہی وہ پہلا کارنامہ ہے

جس نے انھیں مسلمانوں کا سیاسی قائد بنا دیا اور قیادت کے اس منصب جلیلہ پر وہ اپنی موت تک فائز رہے۔

اس وقت حیدرآباد میں مسلمانوں کی کوئی سیاسی تنظیم نہ تھی۔ ایک ادارہ اتحاد المسلمین کے نام سے قائم تھا جو مسلمانوں کے مذہبی ثقافتی اور معاشرتی معاملات سے دلچسپی لیتا تھا بجائے کسی جدید جماعت قائم کرنے کے اتحاد المسلمین کے اغراض و مقاصد میں ضروری ترمیمات کے بعد اس کو مسلمانوں کی واحد سیاسی تنظیم کی حیثیت سے باقی رکھا گیا۔ بہادر یار جنگ کے جوش عمل نے اس تنظیم کو چار چاند لگا دیئے۔ ابوالحسن سید علی اس کے معتمد منتخب ہوئے اس جماعت کے دستور میں صدر کا عہدہ ہی نہ تھا۔ لیکن دنیا کے ترقی پذیر جمہوری اداروں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اس کے دستور میں ترمیم کی ضرورت محسوس کی گئی۔ صدر کا عہدہ قائم ہوا جس کو اپنی عاملہ کے انتخاب کا حق دیا گیا۔ اس طرح بہادر یار جنگ اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔

بہادر یار جنگ کا عروج ایسے زمانہ میں ہوا جب قانون وفاق ہند ۱۹۳۵ء کا ہندوؤں میں نفاذ ہو چکا تھا۔ کانگریس اب تک ریاستوں کے معاملات میں دخیل نہ تھی۔ لیکن اس قانون کے بعد اس نے وفاقی مقننہ میں عوامی نمائندوں کو نمائندگی دلانے کے لیے ریاستوں میں ذمہ دارانہ حکومت کی تحریک کو ہوا دینے لگی۔ یہ تحریک حیدرآباد میں ابھی شروع ہی ہوئی تھی اور بہادر یار جنگ کا ابھی اتحاد المسلمین کی صدارت پر انتخاب عمل میں بھی نہیں آیا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مفاہمت کی ایک کوشش کی گئی۔

مسلمانوں نے بہادر یار جنگ کو خط اعتماد (MANDATE) دیا اور

ہندوؤں کی جانب سے نرسنگ راؤ نے نمائندگی کی۔ ذمہ دارانہ حکومت کے ہندو مطالبہ پر یہ گفتگو نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی لیکن اس کے باوجود ہندو مسلم اتحاد کی اساس تلاش کرنے کی سرگرم کوششیں جاری تھیں اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے دو دو نمائندوں (یعنی کاشی ناتھ راؤ ویدیہ، ایم ہنمنت راؤ، بہادر یار جنگ اور اکبر علی خاں) کی ایک کمیٹی مفاہمت کے فارمولے کی تلاش میں مصروف تھی۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کمیٹی سمجھوتہ کے قریب پہنچ گئی تھی۔ لیکن سر اکبر حیدری کی حکومت نے آئینی اصلاحات کے لیے ایک کمیشن کا اعلان کر کے اس کمیٹی کے دو ارکان کاشی ناتھ ویدیہ اور اکبر علی خاں کو اس کا رکن نامزد کر دیا۔ اس طرح باہمی خوش دلی کی فضا میں جو سمجھوتہ ہو رہا تھا اس پر روڑا پڑ گیا۔ اصلاحات کے کمیشن کے صدر دیوان بہادر آر مودا آئینگار تھے اس لیے اس کو آئینگار کمیٹی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مسلمان اصلاحات کی تائید میں نہ تھے۔ کیوں کہ اس سے ان کے سیاسی اقتدار کے متاثر ہونے کا اندیشہ تھا۔ آئینگار کمیٹی کی سفارشات کے شائع ہونے کے قبل اتحاد المسلمین نے بہادر یار جنگ کی سرکردگی میں جو یادداشت سر اکبر حیدری صدر اعظم باب حکومت کی خدمت میں پیش کی تھی اس سے مسلمانوں کے موقف کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے۔

(۱) حیدرآباد کی حکومت ایک کامل الاقتدار بادشاہت ہو جس پر ہمیشہ آصفی خاندان کا ایک مسلمان رکن متمکن رہے۔

(۲) ہندوستان کے وفاقی دستور میں حیدرآباد کی شرکت اگر ناگزیر ہو تو حیدرآباد صرف اسی صورت میں مناسب اور شایانِ شان حصہ

لے سکے گا جب کہ اس کا سیاسی اقتدار مالیاتی توازن اور معاشی ترقی کے امکانات مستقر رہ ہوں۔

(۳) اگر ملک کی ترقی کے لیے موجودہ دستور میں کوئی تبدیلی ناگزیر متصور ہو تو مسلمانان دکن کسی ایسی تبدیلی کو ہرگز قبول نہ کریں گے جس سے مسلم جماعت کی وہ تاریخی سیاسی برتری متاثر ہو جو حیدرآباد کی تاریخ میں اسے صدیوں سے حاصل رہی ہو۔

الف۔ مقننہ اور ادارہ جات مقامی حکومت خود اختیاری کی ترکیب میں بہر صورت مسلمانوں کو آئینی اکثریت حاصل رہے۔

ب۔ مسلم نشستیں جداگانہ انتخاب کے ذریعہ پُر کی جائیں۔

(۴) اردو ہندوستان بھر کی مشترکہ اور حیدرآباد کی سرکاری زبان ہے وہ ہمیشہ حیدرآباد کی سرکاری اور تہذیبی جماعتوں کی تعلیمی و جامعاتی زبان رہے۔

(۵) ملازمت مسلمانوں کے لیے نہ صرف تاریخی سیاسی وقار کا بلکہ ایک معاشی مسئلہ بھی ہے۔ اس لیے فرقہ وارانہ تناسب کا سوال اس مسئلہ میں پیدا ہی نہیں ہوتا، اور مسلمان اس سے محروم ہونے کے لیے کبھی تیار نہ ہوں گے۔

(۶) حیدرآباد میں ہر مذہب و ملت کے لیے جائز آزادی ہمیشہ سے رہی ہے اور رہے گی لیکن بادشاہت کا مذہب چونکہ اسلام ہے اور رہے گا۔ اس لیے عہد صدر الصدور جس سے مذہبی شرعیہ متعلق ہیں اپنی روایاتی خصوصیات کے ساتھ علیٰ حالہ قائم رہے اور مسلم اوقاف اور مسائل مذہبی کے انتظامات سے متعلق ایک آئینی مسلم ادارہ کی حکومت تسلیم کرے۔

(۷) حیدرآباد میں شہری آزادی ہر شخص کو بلا لحاظ مذہب و ملت حاصل رہی ہے اور رہے گی بشرطیکہ اس کا استعمال ناجائز نہ ہو، اور اس کو ملک میں

باقیانہ اور فرقہ وارانہ جذبات کے اشتعال کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

(۸) ملک کے اہم پیشوں تجارت، زراعت اور صنعت میں مسلمانوں کا حصہ نفی کے برابر ہے جس کی وجہ سے ان کی معاشی حالت پر برا اثر پڑ رہا ہے لہٰذا ایسے وسائل و اسباب فراہم کیے جائیں جن سے ان کے معاشی مشکلات رفع ہوں اور وہ ان پیشوں میں شایان شان حصہ لے سکیں۔

(۹) مجلس وضع قوانین میں مسلمانوں کی آئینی اکثریت کے ساتھ یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ کوئی مسودۂ قانون جو کسی مذہب یا تہذیب پر اثر انداز نہ ہو۔ اس وقت تک قانون نہ بنے گا جب تک کہ اس فرقہ کے ارکان مقننہ کی ۳/۴ تعداد اس کی موافقت میں رائے نہ دے۔

یہ مسلمانوں کے بنیادی مطالبات تھے۔ ان سے مسلمانوں پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ وہ کتنے رجعت پسند تھے۔ جمہوریت کے مقابلے میں مطلق العنان بادشاہت کو ترجیح دیتے تھے اور زمانہ کے مقتضیات کے سمجھنے کی ان میں صلاحیت نہ تھی۔ مہاراجہ جنگ نے مسلمانوں کے اس موقف کی تائید میں اپنی خطابت کی ساری قوتیں صرف کر دیں لیکن ہندوؤں کو وہ مطمئن نہ کر سکے جو جمہوریت کا نام لے کر برطانوی ہند سے انگریزی سلطنت کو اور حیدرآباد میں مسلم اقتدار کے ختم کرنے کے درپے تھے۔

آئینگار کمیٹی کی سفارشات میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو مساوی نشستیں دی گئی تھیں اور غیر مسلموں کے مقابلہ میں مسلمان آئینی پوزیشن میں آجاتے تھے۔ یہ چیز مسلمانوں کے لیے ناقابل قبول تھی چنانچہ اتحاد المسلمین نے اصلاحات کے خلاف سخت مورچہ قائم کیا۔ سر اکبر حیدری کی حکومت پر زد پڑ گئی۔ بالآخر

قائداعظم کو مدعو کر کے مسلمانوں کو مقننہ میں بمقابلہ غیر مسلم مساوات کا یقین دلایا گیا۔ مسلمانوں کے ساتھ اس ترجیحی سلوک کرنے کی وجہ سے ہندوؤں نے بھی اصلاحات کو قبول نہیں کیا۔ ۱۹۳۹ء میں دوسری عالمگیر جنگ چھڑنے کی وجہ سے اصلاحات کی پوری اسکیم ہی کو حکومت نے التوا میں ڈال دیا۔

اس کامیابی سے مسلمانوں کے حوصلے بہت بلند ہو گئے اور بہادر یار جنگ کی عظمت کا سکہ مسلمانوں کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ دوسری عالمگیر جنگ شروع ہو چکی تھی۔ ایک ریاست ہونے کی وجہ سے حیدر آباد کے لیے امداد جنگ میں شایان شان حصہ لینا ضروری تھا۔ حیدر آباد نے کبھی اس سے دریغ نہیں کیا بہادر یار جنگ نے حکومت حیدر آباد کی تائید کرتے ہوئے امداد جنگ کے بہانے مسلمانوں کو عسکری حیثیت سے منظم کرنے کی پوری کوشش کی۔ ان کی اس زمانے کی تقاریر ان کے جذبات کی آئینہ دار ہیں۔ علاوہ ازیں دوران جنگ جب برطانوی حکومت نے ہندوستان کو قلمروی مرتبہ دینے کا اعلان کیا تو بہادر یار جنگ کے سمند ناز کو ایک اور تازیانہ لگا۔ انھوں نے پیر اموشی کے تار و پود بکھیرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ علاقہ جات مفرضہ کی واپسی کے مطالبہ میں شدت پیدا کی گئی۔ ایک تقریر کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

گزشتہ جنگ کے مقاصد اور آج کی لڑائی کے مقاصد میں بہت بڑا فرق ہے۔ آج کی لڑائی حق و صداقت کے لیے جاری ہے۔ برطانیہ کے ارباب حل و عقد نے ایک سے زائد مرتبہ اعلان کیا ہے کہ وہ معاہدات کا احترام کرانے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ ان واضح اور صاف مقاصد جنگ کی موجودگی میں ہماری یہ امداد سابقہ امداد کی طرح رائیگاں نہیں جا سکتی۔ جنگ کے وہی نتائج

ہو سکتے ہیں فتح یا شکست ہم کو فتح کا یقین ہے۔ برطانیہ کی فتح ہماری زندگی ہے اور اس کی شکست ہماری تباہی۔ اگر فتح یقینی ہے تو اس کے نتائج کیا ہوں گے؟

سب سے پہلی چیز جو ہوگی وہ یہ ہے کہ حسب وعدہ حکومت برطانیہ ہندوستان کو قانون ویسٹ منسٹر کے مطابق مقبوضاتی مرتبہ عطا کرے گی جس کے یہ معنی ہیں کہ اب ہمارے اطراف راست برطانوی حکومت کی بجائے ہندوستانی حکومت کارفرما ہوگی اور یہ امر مسلّم ہے کہ ہمارے تمام معاہدات تاج برطانیہ کے ساتھ ہیں۔ مقبوضاتی مرتبہ کے ساتھ ساتھ ہندوستان کو اختیارات مدافعت بھی کالاًمل جائیں گے اور ہم نے اپنی مدافعت کے اختیارات اپنی رضامندی سے تاج برطانیہ کے تفویض کیے تھے۔ ان تمام حالات کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ چونکہ حکومت برطانیہ راست ہماری مدافعت کے قابل نہ ہوگی اور اس بات کے ہم مجاز ہیں اور ہوں گے کہ جدید ہندوستانی حکومت سے جس قسم کے تعلقات مناسب سمجھیں قائم کریں۔ اس لیے لازمی طور پر وہ تمام معاہدات منسوخ ہو جائیں گے جو ہم نے مدافعت کے سلسلہ میں تاج برطانیہ سے کیے ہیں اور اس کا دوسرا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ چونکہ اب خود ہم کو اپنی مدافعت کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس لئے وہ تمام مقبوضات جو ہم نے مدافعتی افواج کے اخراجات کے لیے یا کسی اور طریقہ پر انعاماً و عطاً تاج برطانیہ کے تفویض کیے تھے ہم کو واپس مل جائیں گے۔

اگر خدانخواستہ برطانیہ کو شکست ہوئی اور ہندوستان پر اس کی گرفت ڈھیلی ہوئی، ہندوستان میں مزاج پیدا ہو گیا اور سارا ملک ان خطرات سے دوچار ہونے لگا جو آج ہم کو دور نظر آ رہے ہیں تو معاہدات کی روشنی میں جو حکومت برطانیہ نے ہم سے کیے ہیں۔ ہم اس سے کس امداد کی توقع کر سکتے

ہیں۔ خصوصاً جب کہ معاہدات کی رو سے حکومت برطانیہ اس وقت ہماری امداد پر مجبور نہیں ہے۔ جب کہ اس کی فوجیں دوسری طرف مشغول ہیں۔ کیا ہم اتنے بے قصور ہیں کہ ایسی طوائف الملوکی کا مقابلہ کریں؟

اس شبہ کو موجودہ امداد سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ہماری حکومت آج بھی مجبور نہیں ہے کہ اپنی فوجی طاقت میں اضافہ نہ کرے حکومت کو چاہیئے کہ حالات کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے فوراً اپنے یہاں سامان حرب تیار کرنے والے کارخانے قائم کرے۔ اپنے توپ کے سانچے، بندوق سازی کے ٹوٹے ہوئے کارخانوں کو دوبارہ زندہ کرے اور اپنے ملک کو اس قابل بنائے کہ اپنے حلیف کی اس پریشانی میں وہ بوقت ضرورت اپنی آپ حفاظت کر سکے۔ ہم کو یقین ہے اور برطانیہ سے اس یقین کے قائم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ جو آلات حرب ہم تیار نہیں کر سکتے اور جن کی موجودہ زمانہ میں شدید ضرورت ہے مثلاً ہوائی جہاز، مشین گن، دبابے، ہوائی مدافعت کے سامان، اینٹی ایرکرافٹ توپیں وغیرہ ہم کو فراہم کیے جائیں گے بلکہ بعجلت ممکنہ فراہم کیے جائیں کیونکہ زمانہ کی رفتار خطرات کو کچھ زیادہ دور نہیں بتا رہی ہے۔"

امداد جنگ کے سلسلہ میں اتحاد المسلمین نے ایک مبسوط یادداشت بھی حکومت کی خدمت میں پیش کی۔ مطالبات کی معقولیت سے کسی کو انکار کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ برطانوی ریذیڈنٹ اپنی جگہ خاموش حالات کے مطالعہ میں مصروف تھا اور اتحاد المسلمین کے ارکان پوری تن دہی سے دفاعی کمیٹیوں میں شریک ہو کر امداد جنگ کے کاموں میں حصہ لے رہے تھے۔

حیدرآباد کے ہندو زعماء بھی ان مطالبات کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتے

تھے البتہ گاندھی جی نے اخبار ہریجن میں اس کے خلاف آواز اٹھائی اور یہ بتلایا کہ زمانے کے حالات بدل گئے ہیں مقبوضہ علاقہ جات کی حیدرآباد کو واپسی کے قبل ان علاقوں کے لوگوں کی رائے معلوم کرنی ضروری ہے۔ کانگریس کے ایک سابق صدر پٹابھی سیتارامیا نے اپنے اخبار "اسٹیٹس پیپلز" میں علاقہ جات شمالی سرکار کے ایک استرداد کے خلاف آواز اٹھائی ان دونوں ہندو زعماء کا بہادر یار جنگ نے تاریخی حقائق کی روشنی میں مدلل جواب دیا بہادر یار جنگ کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ جس طرح دوران جنگ میں انگریزوں نے ہندوستان کو مقبوضاتی حیثیت دینے کا وعدہ کیا ہے اسی طرح حیدرآباد کے مقبوضہ علاقہ جات کی واپسی کا بھی اسی زمانہ میں اقرار کیا جائے۔

حیدرآباد کے آزاد سیاسی موقف کی بحالی کے لیے بہادر یار جنگ نے سب سے پہلے جدوجہد شروع کی۔ ان کی کوئی سیاسی تقریر اور خطبۂ صدارت ایسا نہیں ہے جس میں حیدرآباد کی آزادی کی بحالی اور پیرامونٹی کے نظریہ کی مخالفت نہ کی گئی ہو وہ کانگریس کو تاج برطانیہ کا قائم مقام تسلیم کرنے تیار نہ تھے۔ فرماتے ہیں۔

" حیدرآباد اپنی تاریخ کے ہر دور میں ایک آزاد سلطنت رہا ہے اور آئندہ بھی ایک آزاد سلطنت رہے گا اور سلطنت برطانیہ کے ساتھ اس کے دوستانہ اور حلیفانہ تعلقات ایسے نہیں ہیں جو ایک سے دوسروں کے ہاتھوں فروخت یا منتقل کیے جائیں اگر تاج برطانیہ ہندوستان کی سیاست میں کسی تبدیلی کو گوارا کر لیتا ہے جو ہندوستان میں اس کے اقتدار کی قلت کا باعث ہو اور وہ اپنے حلیف یعنی حیدرآباد کے ساتھ کیے ہوئے معاہدات

کی تکمیل کے قابل نہ رہے تو اس کا پہلا فریضہ یہ ہوگا کہ وہ ساری ذمہ داریاں جو حیدرآباد کی طرف سے اس نے اپنے اوپر لی تھیں حیدرآباد کو واپس کردے ..... آج تک ہمارے تعلقات متوسط وائسرائے راست حکومت برطانیہ سے ہیں۔ حکومت ہند سے ہم بعض مشترکہ مسائل میں، مشترک عمل ضرور کرتے ہیں لیکن کبھی خود ہم نے یا حکومت برطانیہ نے اس کے خلاف کوئی اور خیال کیا کہ ہمارے تعلقات حکومت ہند سے الگ ہیں جو لوگ ہمارے تعلقات کو حکومت ہند کے ساتھ قائم تصور کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ حیدرآباد ایک غلامی سے نجات پاکر دوسری غلامی میں گرفتار ہو جائے اور آنے والی ہندوستانی حکومت برطانیہ کی طرح اقتدار اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کرنے لگے۔ آئندہ قائم ہونے والی حکومت ہند سے وہ اپنے تعلقات ضرور قائم کرے گا اور بہت سے ایسے امور ہوں گے جو ہندوستان کے لیے مشترک ہو سکیں گے اور وہ اشتراک عمل کے لیے تیار بھی رہے گا لیکن یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ انگریز حکومت اس کی اجازت دے کہ وہ آنے والی حکومت ہند کو اپنے معاہدات کا وارث ٹھہرائے۔"

بہادر یار جنگ ہندو مسلم اتحاد کے بڑے موید تھے۔ ایک سے زائد مرتبہ انھوں نے ہندوؤں سے مفاہمت کی پرخلوص کوششیں بھی کیں، ذمہ دارانہ حکومت کے سوال پر یہ گفتگو نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی بہادر یار جنگ، ذمہ دارانہ حکومت کو مسلمانوں کی سیاسی موت کے مترادف سمجھتے تھے۔

جمہوریت کے لیے سب سے ضروری چیز ان عوامل کا جن پر

حکومت مشتمل ہوگی ایک رابطۂ خیال میں منسلک ہوتا ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان اور خصوصاً حیدرآباد میں بسنے والے باشندوں کے زاویہ ہائے نظر، طریقہ ہائے فکر اتنے مختلف ہیں کہ ان کو کسی طرح ایک قوم نہیں کہا جاسکتا۔ . . . میں حیدرآباد کی بجائے کسی اور ملک میں ہوتا تو شاید میں بھی ذمہ دارانہ حکومت اور جمہوریت کے سب سے بڑے مدعیوں میں سے ہوتا۔ اگر دستاتیر کا انحصار ماحول پر ہے اور حیدرآباد کا ماحول وہی ہے جو میں نے بیان کیا ہے تو مجھ سے یا اس جماعت سے جس کی میں نمائندگی کر رہا ہوں قطعاً توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی اور طریق حکومت کا تصور بھی کرے گی جس کا لازمی نتیجہ اعلیٰ حضرت کے اقتدار شاہی کا کم یا دوسری طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ حیدرآباد میں مسلمان کسی ایسے جمہوری اصول یا اس کے مطالبہ یا اس کے خیال کو بھی برداشت نہیں کرسکتے جو جمہوریت کا نام لے کر ہندو اکثریت کے اقتدار کو بڑھانے کا باعث ہو وہ کسی ایسے ادارہ سے تو اشتراک عمل پر غور کرسکتے ہیں جس میں ان کی آواز کو پوری قوت حاصل ہو، اور جو یہاں کی مسلم حکومت کو ایماندارانہ مشورہ دینے رعایا کے جذبات سے صحیح طور پر واقف کرنے اور اس کی ضروریات کو ظاہر کرنے کا کام دے لیکن کسی ایسے ادارہ کو قبول نہیں کرسکتے جو وزراء کی ذمہ داریوں کو مسلم بادشاہ کے سوا غیر مسلم اکثریت کی طرف منتقل کردے۔"

حیدرآباد کے مسلمانوں پر ایک الزام ملوکیت پرستی کا بھی لگایا جاتا ہے جس میں سب سے پیش پیش بہادر یار جنگ نظر آتے ہیں۔ لیکن

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بجز تخت و تاج آصفی سے وابستگی کے کسی اور طرح اپنے وجود سیاسی کو برقرار ہی نہیں رکھ سکتے تھے۔ بادشاہ ان کے سیاسی اور تمدنی اقتدار کا مظہر تھا جس کو کامل الاقتدار رکھ کر مسلمان سیاسی حیثیت سے حیدرآباد میں زندہ رہ سکتے تھے۔ تخت و تاج آصفی سے مسلمانوں کی عقیدت و وابستگی میں بہادر یار جنگ نے غلو سے کام لیا اور اس کو ایک سیاسی کلمہ کی شکل دے دی۔

"ہم دکن کے بادشاہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت بندگان عالی کا تخت و تاج ہمارے سیاسی اور تمدنی اقتدار کا مظہر ہے۔ اعلیٰ حضرت ہماری بادشاہت کی روح ہیں اور ہم ان کی بادشاہت کا جسم اگر وہ نہیں تو ہم نہیں ہم نہیں تو وہ نہیں۔"

بہادر یار جنگ اپنی شاہ پرستی کی کس طرح توجیہ کرتے ہیں وہ بھی سن لیجئے:

"یہ نہ سمجھنا کہ میں شاہ دکن کی خاطر مر رہا ہوں اور جان دے رہا ہوں میں عبدالملک نہیں عبداللہ ہوں اور دنیا کا کوئی صاحب ایمان عبداللہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ میں تخت و تاج آصفی پر اس لیے قربان نہ ہوں گا کہ وہ جلالت الملک میر عثمان علی خاں کا تخت و تاج ہے۔ میں تخت و تاج آصفی اور اقتدار شاہان آصفیہ پر اس لیے قربان ہونا چاہتا ہوں کہ میں اس اقتدار کو ملت اسلامیہ کا اقتدار اور تخت و تاج آصفی کو ملت اسلامیہ کے اقتدار کا مظہر تصور کرتا ہوں۔"

بہادر یار جنگ کے ان خیالات اور سیاسی معتقدات میں انتہا پسندی

کے غالب عنصر کے باوجود حیدرآباد کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں کوئی خلیج حائل نہ تھی۔ ہندوؤں کے مطالبات میں توازن قائم کرنے کے لیے ان خیالات کی اشاعت کی ضرورت بھی تھی۔ علاوہ ازیں اس امر کو بھی ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے کہ دوسری عالمگیر جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ ہندوستان کو مقبوضاتی درجہ عطا کرنے کے برطانوی وعدہ کو شرمندۂ تعمیل ہونے کے لیے ابھی وقت درکار تھا۔ اس کی بھی کوئی پیش قیاسی نہیں کی جاسکتی تھی کہ انگریز ہندوستان کو تقسیم کرکے دامن جھٹک کر رفوچکر ہو جائیں گے۔ اسی طرح اور بہت سے عوامل تھے جن کے پیش نظر حیدرآباد کے مسلمانوں کے مطالبات میں شدت برتی جانی ضروری تھی۔ علاوہ ازیں سیاست میں انتہا پسندی بطور پالیسی بھی اختیار کی جاتی ہے۔ تاکہ فریق مخالف سے مفاہمت کی راہ ہموار کرنے کے لیے سودے بازی کی بھی گنجائش باقی رہے۔

ماہ جون ۱۹۴۴ء میں بہادر یار جنگ کا انتقال ہوا، اور اگست ۴۷ء تک ہندوستان کی سیاست میں جو انقلاب انگیز تبدیلیاں پیدا ہوئیں وہ ایک دوربین اور دوررس نگاہ رکھنے والے قائد کو چونکا دینے کے لیے کافی تھیں جدید حالات اور وقت کے مقتضیات کے لحاظ سے حیدرآباد کے موقف کو بھی متعین کیا جاسکتا تھا۔

بہادر یار جنگ اگر زندہ ہوتے اور انھیں حیدرآباد کے مسئلے کو سلجھانے کا موقع رہتا تو ان حالات میں کیا کرتے۔ میرا تو ایقان ہے کہ بہادر یار جنگ کبھی حیدرآباد کو اس طرح تباہ نہ ہونے دیتے۔ حالات اور واقعات کے اعتبار سے ممکن ہے حیدرآباد میں مسلمانوں کا روایتی موقف باقی نہ رہتا لیکن انھیں ایک

باعزت زندگی بسر کرنے اور معاشی اور اقتصادی حیثیت سے اپنے اندر استحکام پیدا کرنے کے مواقع حاصل ہو جاتے۔ اس کا بھی قوی امکان تھا کہ بہادر یار جنگ کی مساعی جمیلہ سے ہندو اور مسلمان مل کر حیدر آباد کے مستقبل کی جدید انداز سے تعمیر کرتے جس میں اجارہ دارانہ نظام کا خاتمہ ہوتا ہے اور عامتہ الناس اپنی زندگی میں خوشحالی کے نئے باب کا اضافہ کرتے لیکن مشیت الٰہی کچھ اور تھی اور انسان کو مشیت الٰہی میں دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ بہادر یار جنگ کی موت دکن میں مسلمانوں کی حیاتِ سیاسی کی موت ثابت ہوئی۔

عبدالوحید خاں

قائدِ ملّت بہادر یار جنگ

گلستان میں ہر صبح و شام نئے گل کھلتے رہتے ہیں اور رجھاتے ہیں روزانہ ہزاروں کلیاں چٹکتی ہیں اور چند دن بہار جانفزا دکھلا کر خس و خاشاک بن جاتی ہیں۔ نہ باغبان کو ان کے کھلنے کا علم ہوتا ہے نہ گلچین کو ان کی پرواہ لیکن اس چمن کی کسی شاخ سے کبھی کبھی ایسے حیات افزا اور روح پرور پھول پھوٹ نکلتے ہیں جن کی خوشبو سے دماغ کا گوشہ گوشہ مہک اٹھتا ہے اور جس کی رعنائی و دلسوزی کا سکّہ ہر روش پر

بیٹھو جاتا ہے۔

بہادر یار جنگ ہمارے چمنستان سیاست میں ایسے ہی گُل رنگین بن کر نمودار ہوئے جن کی چمک دمک نے چند ساعتوں میں نگاہوں کو خیرہ اور دلوں کو مسحور و مسخر کر لیا اور ان کی مختصر حیات سیاسی کا ہر لمحہ جو گزرتا گیا بیش از بیش سرمستی اور رعنائی سے ہمکنار ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان کے ہر گوشے اور قریے میں ان کا چرچا ان کے آب و تاب کا شہرہ اور ان کے کمال و ہنر کا تذکرہ ہونے لگا۔ ۳۸-۱۹۳۷ء تک اک گُل نو دمیدہ کی طرح ان کی مشک ریزیاں اور عطر بیزیاں حیدر آباد کی سرزمین تک محدود رہیں۔ بیرونی دنیا اس کے نام سے بھی زیادہ آشنا نہ تھی لیکن ۱۹۴۴ء میں جب کہ ان کی زندگی کی اکتالیس منزلیں پوری نہ ہونے پائی تھیں جب ظالم نظام کے دستِ جفا جو نے ان کو عین عالم شباب میں ختم کیا تو ہندوستان میں بسنے والا کون مسلمان ایسا تھا جس کی آنکھیں فرطِ الم سے اشک بار اور جس کا دل غم و اندوہ سے معمور نہ تھا۔ ہر مسلمان کا مکان ماتم کدہ اور ہر فرد آہ و بکا میں مبتلا تھا۔ قائد اعظم سے لے کر مسلم لیگ کے معمولی رضا کار تک اور ایک طالب علم لے کر بڑے سے بڑے عالم و ادیب تک ہر شخص ان کے غم میں چاک دامن نظر آتا تھا۔ اس عالمگیر محبت اور عام عقیدت کا سبب یہ تھا کہ ان کا وجود اس لالہ چمن کی طرح نہ تھا جس کا مقصد محض آرائش بزم اور دعوت نگاہ ہو جو دلوں کو خوش اور دماغوں کو معطر کرتا ہو لیکن جس کا پہلو دل سے تہی اور دل سوز سے خالی ہو بلکہ وہ جس محفل کو زیبائش بخشے اس کی شورش پنہاں میں شریک اور

اسی کے سوزِ نہاں سے وابستہ ہوتے ان کے دل اور زبان میں کامل یگانگت اور نیت و عمل میں پوری رفاقت ہوتی تھی جس طرح ان کی زبان آتش فشانی اور گہرباری میں معروف رہتی اسی طرح ان کا دل و دماغ قوم و ملت کے لیے ہر لمحہ سرگرم عمل تھا۔ نہ صرف یہ کہ ان کا سخن دل نواز تھا بلکہ ان کو قدرت نے نگہ بلند اور جان پرسوز بھی عطا کی تھی اور جس ایک فرد میں یہ تمام صفات مجتمع ہوں اس کا وجود ہر قوم کے لیے نعمت ہے۔

پہلا تعارف

مجھے مرحوم سے پہلی مرتبہ دسمبر ۱۹۳۸ء میں پٹنہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے موقع پر متعارف ہونے کا موقع ملا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلم لیگ اور کانگریس کی باہمی کشیدگی آخری حد تک پہنچ چکی تھی۔ کانگریس جماعتی مطلق العنانی (پارٹی ڈکٹیٹر شپ) کے نشے میں مخمور اور سات صوبوں میں اپنی وزارتوں کی طاقت سے مسحور و مغرور ہو کر مسلم سیاست کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ ایک طرف تمدنی زبان اور مذہب کو ہندوستانی قومیت میں ختم کرنے کی غرض سے واردھا اسکیم کا نفاذ ہو چکا تھا۔ یو۔پی، سی پی اور بہار میں مسلمانوں پر بے حد مظالم توڑے جا رہے تھے تاکہ وہ ہندو امپریلزم سے مرعوب و خوفزدہ ہو کر خود کو کانگریس کے حوالے کر دیں۔ سرکاری اسکولوں میں گاندھی جی کی تصویر کی پوجا اور بندے ماترم کا گیت لازمی کر دیا گیا تھا۔ گاندھی جی نے اردو زبان کو ختم کرنے کے لیے ہندی ساہتیہ پریشد کی بنیاد ڈالی تھی۔ اسی زمانے میں گاندھی جی اور دوسرے کانگریسی لیڈروں کے مشوروں سے حیدرآباد دکن میں ہندو مہاسبھا اور آریہ سماج نے حکومت نظام کے خلاف ستیہ گرہ کی

تحریک شروع کردی تھی جس میں دس ہزار سے زیادہ ہندو قید ہو چکے تھے۔
دوسری طرف حکومت برطانیہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی فیڈرل اسکیم نافذ کرنے پر مصر تھی اور مسلم لیگ اس کو کسی طرح منظور کرنے پر تیار نہ تھی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب کہ فلسطین میں امریکہ اور برطانیہ کی یہود نواز پالیسی کے خلاف مسلم لیگ اپنی صدائے احتجاج بلند کر رہی تھی اور اپنا ایک ڈیلی گیشن چودھری خلیق الزماں اور عبدالرحمٰن صدیقی پر مشتمل مصر بھیج چکی تھی۔

غرض اس پس منظر میں پٹنہ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں شرکت کی غرض سے ہندوستان کے ہر حصے کے مسلمان آئے کسی طرح اجلاس میں شریک ہونے والے افراد کی تعداد دو لاکھ سے کم نہ تھی۔ تمام فضا جوش و خروش سے پُر اور نئے ارادوں اور ولولوں سے معمور تھی۔ نواب بہادر یار جنگ مرحوم نے اس اجتماع کو غنیمت سمجھتے ہوئے طے کیا کہ حیدرآباد میں جو سازشیں ہندو لیڈر کر رہے ہیں اور جس سے وہاں کی حکومت کے متزلزل ہونے کا کافی خطرہ ہے ان سے مسلم لیگ کے لیڈروں اور مسلم عوام کو باخبر کر دیں اور اس طرح مسلم ہندوستان کی ہمدردی حاصل کریں۔
پٹنہ میں بہادر یار جنگ کی موجودگی کا بہت کم لوگوں کو علم ہوا کیونکہ اس وقت تک وہ کافی غیر معروف تھے۔ ان کے متعلق صرف اتنا سنا تھا کہ اچھے مقرر ہیں۔ اتحاد المسلمین کے صدر اور خاکسار جماعت کے رکن ہیں اسی لیے پٹنہ کے جلسہ عام میں جو مسلم لیگ کے پنڈال میں اس وقت منعقد ہوا جب مسلم لیگ کونسل کا اجلاس عبدالعزیز صاحب کی کوٹھی پر ہو رہا تھا۔

شرکاء کی تعداد زیادہ نہ تھی۔

اجلاس میں ختم ہونے سے ایک روز قبل سر سلیمان مرحوم کے داماد چودھری اختر حسین صاحب لکھنؤ میں ایک کامیاب وکیل اور لیجسلیٹو کونسل یو۔پی کے رکن تھے۔ کی طرف سے ارکان کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کو چائے کی دعوت کا پیام ملا جو بہادر یار جنگ مرحوم کے اعزاز میں تھی۔ مجھے حیدر آباد کے نظام وہاں کے روسا اور نوابوں سے دلی نفرت تھی۔ اس کی وجہ ایک تو وہاں کی امتیاز کی تحریک تھی، دوسرے اس زمانے میں عام طور سے جاگیرداروں اور نوابوں کو آزادی ملک کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ سمجھا جاتا تھا۔ غیر ملکی حکومت کے خلاف بغاوت کے جذبات نے اپنے ملک کے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے خلاف بھی کافی نفرت پیدا کر دی تھی۔ عوام اس طبقہ سے زیادہ بیزار اور نالاں تھے۔ میں فطری طور پر ان جذبات سے متاثر تھا اور حیدر آباد کے ایک جاگیردار سے ملاقات کرنا تضیع اوقات اور ان سے تعارف اور تقرب کا فعل عبث سمجھتا تھا۔ چنانچہ عصرانے میں گیا تو نہایت بے اعتنائی اور لاپروائی کے ساتھ مہمان خصوصی سے بہت دور جا بیٹھا اور میزبان کے ساتھیوں سے مصروف ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں موصوف کا تعارف کراتے ہوئے میزبان نے ان سے فرمائش کی کہ وہ حیدر آباد کے حالات سے ارکان کونسل کو آگاہ کریں۔ چشم زدن میں ایک دراز قامت شکیل وجیہ حیدر آبادی خاص شیروانی اور ترکی ٹوپی میں ملبوس نظروں کے سامنے آگیا۔ یہی بہادر یار جنگ تھے۔ ان کے کھڑے ہونے کا انداز اور اپنے سامعین پر ایک مسکراہٹ آمیز نظریں

ڈالنے کا طریقہ عام انسانوں سے بالکل مختلف تھا ان کی شکل میں نہ لکھنوی نزاکت کی بو تھی نہ ان کے انداز میں حیدرآبادی ریاست کی خو تھی۔ ان کی آنکھیں اندرونی بے پناہ قوت ارادی کا پتہ دیتی تھیں اور ان کے تیور مومنانہ عزم اور فاتحانہ کردار کے آئینہ دار تھے۔ ابھی انھوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا تھا، ان کے انداز نگاہ ہی نے میرے دل کے تمام وسوسے اور ذہن کے تمام تعصبات شیشے کی طرح چکنا چور کر دیئے میں سنبھل کر بیٹھا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ شخص کوئی نواب نہیں بلکہ مجاہد معلوم ہوتا ہے۔ چند لمحات میں پھولوں کی بارش ہو گئی ان کے بولنے کا طرز دیکھنے کا انداز و الفاظ کا انتخاب جملوں کی ساخت مضامین کی ترتیب و تنظیم فضا میں ان کی انگشت شہادت کی گردش خیالات کی روانی، اذکار کا تسلسل یہ سب باتیں میرے لیے بالکل نئی اور اچھوتی تھیں ہر شخص ان کے خیالات کی زنجیروں میں بندھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ میں مولانا آزاد کو بولتے سنا تھا۔ ان کی چھپی ہوئی تقریروں کا ایک ایک لفظ تھا۔ مولانا احمد سعید اور عطاء اللہ بخاری کی طویل دلچسپ اور دل آویز تقریریں متعدد مرتبہ سنیں۔ ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے رنگ میں عمدہ مقرر اور بلند پایہ خطیب ہے۔ لیکن اس روز بات ہی کچھ اور تھی۔ اسماعیل شہید اور جمال الدین افغانی کی معجز نما تقریروں اور مجاہدانہ خطابت کے تذکرے کتابوں میں پڑھے تھے معلوم ہوتا تھا ان ہی تاریخی خطبات کو پڑھنے وہ خود دس پر اتر آئے ہیں۔ آپ نے نہایت جامع اور مفصل طور پر حیدرآباد کا سیاسی پس منظر وہاں کی حکومت کی مفاد عامہ کے لیے کارگزاریاں اور ہندو لیڈر کی ریشہ دوانیوں پر روشنی ڈالی اور نہایت غیر مبہم الفاظ میں یہ بھی بتا دیا

کہ خود انھوں نے وہاں کے مسلمانوں کو اس طرح منظم کر دیا ہے کہ انگریز اور ہندو مل کر بھی ان کو شکست نہیں دے سکتے۔

تقریر ختم ہوئی تو میرا عجب حال تھا۔ اب وہ بے اعتنائی باقی نہ تھی ان سے ملنے اور تعارف حاصل کرنے کی تمنا دل میں کروٹ لینے لگی۔ سب لوگ باری باری ان سے مصافحہ کرنے لگے۔ ایک مصنف کا سب سے بڑا ذریعہ تعارف اس کی کتاب ہوتی ہے وہ بزعم خود اس کو ایک بڑا حربہ سمجھتا ہے اور جس سے متعارف ہونا چاہیے۔ اپنی تصنیف کا ایک نسخہ اس کو دے دے تاکہ اسے خود ہی معلوم ہو جائے کہ ملنے والا شخص ایک مولف ہے۔ یہ آسان نسخہ میرے ذہن میں بھی آیا اور فوراً اپنی تازہ تصنیف مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ جس کا دوسرا ایڈیشن صرف دو تین ماہ قبل نکلا تھا، ان کی خدمت میں پیش کرتے اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا۔ آپ نے میرے ہاتھ سے کتاب لے کر سرورق پر نظر ڈالی اور پھر میری طرف مسکراہٹ آمیز لہجہ میں دیکھ کر فرمایا۔

یہ کتاب نہ صرف میرے پاس ہے بلکہ اتحاد المسلمین کی ہر شاخ میں خاص طور سے ایک نسخہ رکھنے کا حکم دے چکا ہوں۔ لیکن مصنف کے ہاتھ سے کتاب حاصل کرنے کا لطف کچھ اور ہی ہے۔ بہت شکریہ!

جب اجلاس سے فارغ ہو جائیں تو میری قیامگاہ پر تشریف لائیں انشاء اللہ مفصل باتیں ہوں گی۔ اس مختصر تقریر کے بعد ہر جگہ ان کے دل نشین انداز تقریر کا ذکر تھا ہر شخص جو ان سے ملتا اس نعمت کے ہاتھ آجانے پر خدا کا شکر ادا کرتا۔ رخصت سے قبل میں نے تقریباً نصف گھنٹہ تک ان کی

فروگاہ پر گفتگو کی جس بے تکلفی اور خلوص سے آپ نے مجھ سے باتیں کیں میں سمجھا کہ شاید میرے ساتھ کوئی امتیازی سلوک تھا لیکن بعد میں جب میں ان سے کافی قریب ہوا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت ان کا طرز عمل ہر شخص سے ایسا ہی مربیانہ اور مشفقانہ ہوتا تھا۔

حیدرآباد میں شاندار کامیابی

اس کے بعد سے میری خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا۔ حیدرآباد کانفرنس کے موقعہ پر مجھے خاص طور سے شرکت کی دعوت دی اور پھر تاکید بھی کی لیکن بدقسمتی سے میں اس سعادت سے محروم رہا۔ دہلی میں مارچ ۱۹۳۹ء میں مسلم لیگ کی ایک بڑی کانفرنس ہوئی۔ اس میں آپ کی کئی تقریریں عام جلسوں میں ہوئیں جنھوں نے آپ کو مسلم عوام کے قلوب میں جاگزیں کر دیا۔

اسی دور میں آپ کو حیدرآباد میں بھی زبردست کامیابی ہوئی۔ قائد اعظم خود حیدرآباد تشریف لے گئے اور وہاں اتحاد المسلمین کے رضاکاروں کی حیرت انگیز تنظیم کو بے حد پسند کیا۔ اس تنظیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان باوجود اقلیت میں ہونے کے نصف نمائندگی کے حقوق اسمبلی میں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے آل انڈیا اسٹیٹس مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی اور خود صدر منتخب ہوئے۔

دوسری ملاقات

۲۰ مارچ ۱۹۴۰ء کو صبح ۹ بجے دہلی میں مجھے دوسری مرتبہ ملنے کا شرف حاصل ہوا، اس کی صورت یہ ہوئی کہ ۱۹ مارچ کی شام کو لاہور میں

خاکساروں پر گولی چلی۔ دو دن بعد لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا وہ اجلاس ہونے والا تھا جس میں تجویز پاکستان منظور ہوئی۔ خاکساروں اور پولیس کے تصادم نے بڑے تشویشناک حالات پیدا کر دیئے تھے۔ نواب صاحب بھی اس روز دہلی میں مقیم تھے۔ میں ۱۹ مارچ کی شام کو علامہ مشرقی اور قائداعظم سے ملا تھا۔ علامہ صاحب نے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ میں مسٹر جناح تک ان کی یہ خواہش پہنچا دوں کہ وہ گورنمنٹ پنجاب اور خاکساروں میں سمجھوتہ کرا دیں۔ میں نے جب مسٹر جناح کو ان کا یہ پیغام پہنچایا تو انھوں نے فرمایا کہ آپ ان سے جا کر کہہ دیں کہ مسلم لیگ کے اجلاس کے دوران میں وہ امن قائم رکھیں اور ایجی ٹیشن نہ کریں۔ ساتھ ہی چلتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا کہ صبح کو نواب بہادر یار جنگ دس بجے مجھ سے ملنے آ رہے ہیں اس سے قبل ان ان کو ساتھ لے کر علامہ صاحب سے ملنا اور جو جواب وہ دیں مجھے صبح بتا دینا گویا کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ صبح کو جب نواب صاحب تشریف لائیں تو میں بھی ان کے ساتھ جاؤں میں اسی وقت یعنی تقریباً ساڑھے دس بجے شب قرول باغ گیا تو علامہ صاحب کسی خفیہ جگہ روپوش ہو چکے تھے اور میرے واپس آنے کے تھوڑی دیر بعد گرفتار ہو گئے۔ علی الصبح میں نواب صاحب کے پاس کورنیشن ہوٹل گیا اور رات کی دونوں ملاقاتوں کا ذکر کیا۔ نواب صاحب پریشان تھے لیکن طبیعت کی شگفتگی اور ذہنی انشرح کی وہی کیفیت تھی نجی گفتگو میں بھی بات بات پر پھلجھڑیاں کھلاتے تھے۔ ٹیکسی منگائی مجھے ساتھ لیا پہلے ڈاکٹر ضیاء الدین کے پاس گئے پھر قرول باغ گئے اور خاکساروں کے سالار سے ملے جو اس وقت تک گرفتار نہ ہوئے تھے ان کو ہدایت کی کہ لاہور میں محاذ

کا جو انچارج ہے اس کے پاس فوراً یہ پیغام بھیج دیں کہ جیسے ہی میں لاہور پہنچوں مجھ سے آکر مع دیگر اصحاب شوریٰ ملیں۔

وہاں سے سیدھے قائداعظم کے بنگلہ پہنچے قائداعظم ایک منٹ کے بعد ہی خود باہر تشریف لائے اور نہایت ہی بے تکلفی اور تپاک سے نواب صاحب سے ملے اور اپنے ساتھ ہم دونوں کو دارالمطالعہ میں لے گئے۔

خاکسار تحریک کو زندہ رکھنے کی کوشش۔

نواب صاحب خود کو مسٹر جناح کا سیاسی شاگرد سمجھتے تھے اور بہت ہی ادب سے گفتگو کرتے تھے اس کا ہمیشہ لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی لفظ ان کی طبیعت پر گراں نہ گزرے۔

پھر بھی اپنے گفتگو کے انداز اور ظرافت آمیز جملوں سے خود بھی ہنستے تھے اور ان کو بھی ہنسا ڈالتے تھے۔ قائداعظم بھی ان سے جس طرح کھل کر بے تکلفی باتیں کرتے تھے شاید کسی اور سے نہ کرتے ہوں۔ نواب صاحب کی گفتگو کا زیادہ زور خاکسار تحریک کی افادیت پر تھا۔ ان کو یہ فکر تھی کہ قائداعظم کہیں علامہ مشرقی کی غلطیوں کی بناء پر تحریک کے مخالف نہ ہو جائیں۔ ان سے کافی دیر تک تبلیغی انداز میں اس تحریک کی موافقت میں لکچر دیا لیکن ہر مرتبہ قائداعظم نے محبت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ان کے کلام کو قطع کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ مجھے تحریک سے کوئی اختلاف نہیں لیکن جس طرح اس کو گذشتہ ایک سال سے چلایا جا رہا ہے اس کا شدید مخالف ہوں۔ نواب صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا۔

مسٹر جناح میری کوشش اب تک یہ رہی ہے کہ مسلم لیگ کا دماغ اور خاکساروں کی قوت عمل آپس میں مربوط ہو کر ایک ناقابل شکست قوت

بن جائیں اور میں اب تک مایوس نہیں ہوں میں خاکسار تحریک کو بچانا چاہتا ہوں اور مجھے اس میں آپ کی مدد کے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی۔ قائد اعظم نے نہایت متانت اور آہستگی کے ساتھ ان کو اس طرح جواب دیا۔

نواب صاحب مجھے آپ سے ہمدردی ہے میں نے آپ کو ہمیشہ مسلم لیگ کا دوست اور مسلم سیاست کا ایک مفید ستون سمجھا ہے۔ لیکن یہ آپ کی خام خیالی ہے آپ نہیں جانتے کہ مشرقی گمراہ قوت عمل کا پیکر ہیں۔

YOU ARE HOPING AGAINST HOPE WITH OUT REALIZING THAT MASHRIQUE IS THE ITORE HOUSE OF MESDIRECTED ENERGY -

میں نے خود اس امر کی کوشش کی کہ خاکسار تحریک مسلم لیگ کا فوجی بازو بن جائے اور مشرقی بہ حیثیت سالار تحریک ہماری تنظیم کے ماتحت اس کو چلاتے رہیں۔ صلح و جنگ کرنے کا اختیار مسلم لیگ کو ہو پھر اگر کوئی طاقت اس جماعت پر حملہ کرنے کی نیت کرے تو ہم پوری طاقت سے اس کی مدافعت کریں لیکن مشرقی نے اطاعت کو رانہ تقلید محض کا جذبہ اپنے پیروؤں میں پیدا کیا ہے وہ کسی دوسری جماعت کے ساتھ اس تحریک کو وابستہ نہ ہونے دے گی۔ مجھے خطرہ ہے کہ یو۔پی میں شیعہ سنی تحریک میں الجھ کر اور پنجاب گورنمنٹ کے خلاف غیر آئینی اقدام کر کے مشرقی نے اپنے آپ کو اور اپنی تحریک کو ایسی جگہ لا کھڑا کیا ہے کہ اب اس کی بقاء اور ارتقا کی کوئی امید نہیں۔ پھر بھی اگر یہ لوگ اپنا طرز عمل بدل لیں اور ہماری ہدایت کے مطابق کام

کریں تو شاید کچھ دنوں میں حالات معمول پر آجائیں لیکن فوری طور پر ناممکن ہے۔ چلتے قائداعظم نے جب نواب صاحب سے مصافحہ کیا تو فرمایا۔

اس مرتبہ اجلاس میں آپ کی تقریر کے لیے بہت دلچسپ موضوع تیار ہو رہا ہے اس سے مراد غالباً تجویز پاکستان تھی۔ نواب صاحب نے برجستہ یہ جواب دیا اور خدا حافظ کہہ کر رخصت ہوئے "میں امتحان سے پہلے پرچہ معلوم نہیں کرتا۔"

قائداعظم کے ترجمان

اب نواب صاحب قائداعظم کے باضابطہ ترجمان بن چکے تھے۔ جہاں قائداعظم تشریف لے جاتے نواب صاحب بھی بہ صد اصرار لے جائے جاتے اور قائداعظم کی تقریروں کا ترجمہ جس خوبی و کمال سے وہ کرتے تھے اس سے لوگ بے حد متاثر ہوتے تھے۔ دو تین سال میں ہندوستان کے ہر گوشہ میں ان کا ڈنکا بج گیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاسوں کے وقت نواب صاحب تشریف لاتے اور باوجود رکن نہ ہونے کے ان میں شرکت فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ حیدرآباد میں ہندوؤں کی سازشوں اور رہا سبھا کے ایجی ٹیشن سے ارکان کو باخبر کر رہے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں تشریف فرما تھے۔ مولانا نے تقریر کے دوران میں سوال کیا۔

حضرت آپ نے مسلمانان ہند کو مدد کی دعوت ہی کب دی ہے۔ اس سوال پر مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ ان کی گردن تن گئی اور جواب دیا۔

"مولانا۔ پیر میں کانٹا چبھتا ہے تو ہاتھ خود بخود نکالنے کو اٹھتا ہے آنکھوں سے آنسو خود بخود گرنے لگتے ہیں وہ دعوت کا انتظار نہیں

کرتے اور میں تو کریلا ہوں اور نیم چڑھا یعنی مسلمان اور پھر پٹھان آخر مجھ پر ہی بجلی گرے اور میں ہی آپ سے مدد کا طالب ہوں یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

اپریل ۱۹۴۲ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا۔ سر سٹیفرڈ کرپس اپنی مشہور اسکیم لے کر ہندوستان آئے تھے اور اس پر غور کرنے اور پاکستان کے مطالبے پر زور اور اعادہ کرنے کی غرض سے یہ اجلاس طلب کیا گیا تھا۔ قائداعظم نے اس موقع پر بڑا پُرجوش اور مدلل خطبہ صدارت فی البدیہہ پڑھا اور اس کا ترجمہ بھی نواب صاحب نے کیا۔ آخری اجلاس میں چندے کی اپیل کی گئی۔ آپ نے تقریر کے دوران اس کا نیلام شروع کر دیا۔ ایک شخص نے تلوار پیش کی پندرہ منٹ میں ۱۱ ہزار کا اعلان ہو گیا۔ قائداعظم نے مداخلت کرتے ہوئے اس چندے کی اس لوچھاڑ کو روک دیا کہ بغیر رسید اس طرح روپے کی بارش میرے مسلک کے خلاف ہے اس وقت تقریر کا اتنا اثر تھا کہ جو بھی ان کے پاس ہے سب نچھاور کر جائیں۔

الہ آباد سے آپ میری دعوت پر لکھنؤ تشریف لے گئے۔ جہاں تین دن قیام فرمایا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ میں نے لکھنؤ میں "ادارہ اقبال" قائم کیا تھا جس کا مقصد علامہ اقبال کی تعلیمات کو عوام تک پہنچانا تھا جو ایک نئی اور غیر معمولی بات تھی۔ انیس و دبیر کے شہر میں جس کا ہمیشہ نعرہ "انا ولا غیری" رہا اقبال کو بحیثیت شاعر کے تسلیم کرنا کفر سمجھا جاتا تھا۔

بال جبریل اور ضرب کلیم کی اشاعت کے بعد کچھ عرصہ تک "اودھ پنچ" میں کارٹونوں کے ساتھ اقبال کے خلاف مضامین لکھتے رہے۔ لکھنؤ کے ادیب اور شعراء سوائے تعلیم یافتہ لوگوں کے اقبال کو ایک مفکر اور بلند پایہ فلسفی مانتے تھے مگر زباندان

اور شاعر کی حیثیت سے ان کو کوئی درجہ نہیں دیتے تھے۔ میں نے ۱۹۴۱ء میں دہلی میں نواب صاحب سے ذکر کیا تھا کہ آپ کو علامہ اقبال سے بے حد شغف ہے بلکہ آپ کو دعویٰ ہے کہ آپ کے خیالات کی روحانیت اقبال کی مرہون منت ہے آپ میری مدد فرمادیں۔ لکھنؤ میں ادارۂ اقبال کا افتتاح آپ خود کریں ورنہ اس میں کوئی آواز نہ ہوگی آنجہانی سر تیج بہادر سپرو کا بھی یہی مشورہ تھا۔

آپ نے فرمایا آئندہ سال میں ضرور لکھنؤ آجاؤں گا اور اس کام کو ضرور انجام دوں گا۔ اتفاق سے اس سال الہ آباد میں اجلاس ہوگیا۔ جہاں آپ تشریف لے گئے۔ حیدر آباد سے روانہ ہونے سے قبل لکھنؤ کا پروگرام مجھ سے طے ہوگیا۔ میں اسی سال اتفاق سے کچھ عرصہ کے لیے لکھنؤ کی شہری مسلم لیگ کا صدر بھی تھا اور میری خواہش تھی کہ مسلم لیگ کی طرف سے آپ کا استقبال ہو۔ اور ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل بورڈ کی طرف سے ایڈریس پیش کیا جائے لیکن آپ نے فرمایا کہ میں صرف "ادارہ اقبال" کی دعوت پر لکھنؤ جانا چاہتا ہوں اور اسی ادارہ کے پلیٹ فارم پر تقریر کروں گا اس لیے کسی اور قسم کا اہتمام نہیں ہونا چاہیئے۔ آپ کی ادارۂ اقبال کی تقریر کو نشر کرنے کا خاص انتظام کیا گیا۔ عین وقت اوپر سے ہدایت آگئی اور یہ اہتمام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ جنگ کی پابندیوں کی وجہ سے کھلے میدان میں جلسہ نہ ہوسکتا تھا۔ گنگا پرشاد دہال میں جلسہ ہوا۔ علامہ سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا حسرت موہانی اور ساغر نظامی کے علاوہ یو۔ پی کے تقریباً ہر جگہ کے ادیب اور علم دوست حضرات خاص طور سے شریک تھے۔ علامہ اقبالؒ کی تعلیمات پر آپ نے ڈیڑھ گھنٹہ تقریر کی۔ علامہ سلیمان ندوی اور مولانا دریابادی صاحبان کو تھوڑے تھوڑے

وقفہ کے بعد واہ واہ کہتے دیکھا۔ عام حاضرین کی عجب کیفیت تھی مجھے یقین ہے کہ لکھنؤ میں نہ اس دن سے بیشتر کبھی ایسی تقریر ہوئی تھی نہ اس کے بعد کبھی ہو سکی۔ کئی روز تک لکھنؤ میں آپ کے انداز تکلم اور طرز تقریر کا چرچا رہا۔

اسی شب سوا گیارہ بجے بعد کھانا کھایا گیا۔ ایک بجے تک یہاں آپ کی باتوں سے محظوظ اور علمی افکار سے مستفید ہوتے رہے۔ ایک بجے کے بعد آپ نے سونے کا ارادہ کیا چونکہ دیر زیادہ ہو گئی تھی اس لیے آپ نے مجھ سے بھی اپنی فروگاہ (کوٹھی بیگم حبیب اللہ) پر اپنے کمرے میں سونے کی فرمائش کی کیونکہ صبح کی گاڑی سے آپ کو واپس جانا تھا اس لیے میں رات وہیں سو گیا۔ تقریباً چار بجے روشنی اور پیروں کی آہٹ سے میری آنکھ کھل گئی تو دیکھا کہ چارپائی کے پاس جانماز بچھی ہے اور نواب صاحب نماز تہجد میں مصروف ہیں نماز کے بعد دیر تک وظیفہ میں مصروف رہے اور آخر میں گڑگڑا کر دعا مانگتے رہے۔ وظائف اور دعاؤں کا یہ عالم تھا کہ موٹر میں بیٹھتے تو زبان پر دعا جاری ہو جاتی تھی اور تو دوسری دعا۔ غرض کہ ان کی زندگی کا ہر لمحہ عمل اور ذکر و فکر میں مصروف رہتا تھا۔

آپ اکثر فرماتے تھے کہ جب تک سرزمین حیدرآباد سے وہ دھبہ نہیں دھو لیتا جو پیو کے خلاف سازش کر کے لگ چکا ہے اس وقت تک میں مطمئن نہیں ہو سکتا۔ باوجود ریاستی شان و شوکت اور یورپی ساز و سامان کے گھریلو زندگی میں سادگی کا یہ عالم کہ جب سفر میں ملازم کپڑے تیار کرتا اور پہناتا تو آپ کو تکلیف ہوتی کہ گھر پر میں یہ کام ملازم سے کبھی نہیں لیتا اگر ملا تو خود چاہتا ہوں لیکن بخت بیوی باوجود منع کرنے کے خود اپنے ہاتھوں سے

جوتوں پر پالش کرتی ہے اور کپڑے پہناتی ہے۔

ریاست و ملوکیت کے ماحول میں حق گوئی و بے باکی کا گذر کم ہوتا ہے لیکن آپ نے نظام سے دوستی اور وفا کے پیمان کے باوجود کبھی حق بات کہنے سے گریز نہیں کیا۔ ۱۹۴۳ء میں ولی عہد حکومت کو سرکار برطانیہ سے خطاب ملا، آپ نے نہایت واضح الفاظ میں اپنے اختلاف کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ حیدرآباد کی داخلی آزادی پر ایک ضرب کاری ہے کاش حکومت حیدرآباد بھی وائسرائے ہند کو خطاب دینے کی طاقت اپنے اندر رکھتی۔

یوم بہادر یار جنگ

(پاکستان میں منعقدہ جلسہ کی روئداد)

اسٹاف رپورٹر کے قلم سے

۲۶ جون ۱۹۵۲ء رات کے ۹ بجے کے بعد موتمر عالم اسلامی کے زیر اہتمام آرام باغ میں یوم بہادر یار جنگ منایا گیا۔ اسٹیج سے مسجد تک سارا میدان حاضرین سے بھرا ہوا تھا۔ حیدرآباد کے مشاہیر اور کارکنوں کے علاوہ ہز اکسیلنسی ڈاکٹر عبدالرب نشتر، سفیر مصر اور دیگر مشاہیر نے شرکت کی۔ یہ کثیر اجتماع اس بات کو ظاہر کر رہا تھا کہ مرحوم بہادر یار جنگ کی عوام اور خواص دونوں کے دلوں میں لازوال محبت ہے۔

جلسہ کی صدارت ہز ایکسلنسی ڈاکٹر عزّام بے نے کی جس کا آغاز ظاہر القاسمی صاحب کی قراءت اور غریب سالکی صاحب کی نعت سے ہوا نعت کے ختم پر صدر جلسہ ڈاکٹر عزّام بے نے عربی میں تقریر کی جس کے ایک ایک جملہ کا ترجمہ عبداللہ صاحب مسدوسی نے کیا۔ ڈاکٹر عزّام بے نے کہا کہ جب قوموں پر زوال آتا ہے تو خدائے تعالیٰ ایسے بندے پیدا کرتا ہے جو اپنی قوم کو پستی سے نکال کر بام عروج کا راستہ دکھاتے ہیں ان کے احسان کا شکریہ یہی ہے کہ ان کی یاد منائی جائے اور ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کی کوشش کی جائے۔

جناب صدر کی تقریر کے بعد معتمد موتمر نے میر لائق علی صاحب کا پیام پڑھ کر سنایا جو ایک بہت پہلے کی موعودہ مصروفیت کی وجہ سے جلسہ میں حاضر نہ ہو سکے تھے۔ ان کے بعد مولانا منظر علی کامل صاحب نے نواب مرحوم کی سیرت پر روشنی ڈالی اور پھر مولانا احتشام الحق صاحب نے تقریر فرمائی۔ مولانا نے فرمایا کہ برعظیم ہند میں کوئی سیاسی تحریک مذہبی رہنماؤں کی تائید اور شرکت کے بغیر کامیاب نہیں ہوئی۔ چنانچہ گاندھی جی نے جب کانگریس کی تحریک میں جان ڈالی تو حکیم اجمل خاں مرحوم کو خاص طور پر اس کے لیے آمادہ کیا کہ انگریز حکومت کے خلاف سیاسی تحریک میں مذہبی رہنماؤں کی تائید حاصل کرنی ضروری ہے۔

چنانچہ حکیم صاحب نے حضرت شیخ الہند مرحوم اور دیگر علماء سے رجوع کیا۔ ان مذہبی رہنماؤں کی تائید اور شرکت سے کانگریس کی سیاسی تحریک میں جان پڑ گئی۔ یہی صورت حال مسلم لیگ اور مطالبہ پاکستان کے ساتھ پیش

آئی۔ قائداعظم کے ساتھ مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم اور نواب بہادر یار جنگ مرحوم یہ دو مذہبی رہنما ایسے تھے جن کی وجہ سے مطالبہ میں جان پڑ گئی۔ اور اگرچہ آج یہ دونوں موجود نہیں لیکن پاکستان کے قیام میں ان دونوں بزرگوں کی کوششوں کو بڑا دخل ہے۔

مولانا نے افسوس ظاہر کیا کہ پاکستان ان مذہبی پیشواؤں کی یاد کو فراموش کر رہا ہے۔ مولانا عثمانی کی یاد میں تو کوئی جلسہ بھی منایا نہیں جاتا۔ مولانا نے فرمایا کہ پاکستان کا مطالبہ کرنے والوں کے دو گروہ تھے۔ ایک وہ گروہ تھا کہ اپنی ملازمتوں اور دوسری منفعتوں کے راستہ سے ہندوؤں اور سکھوں کی مسابقت کو دور کرنا چاہتا تھا۔

نواب بہادر یار جنگ کے متعلق مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حق گوئی کی بے مثال جرأت عطا فرمائی

احمد عبداللہ مسدوسی صاحب نے جو خود نواب بہادر یار جنگ کے اسکول کے ساتھی بھی رہ چکے تھے اور سیاسی جدوجہد میں ساتھ کام بھی کر چکے تھے نواب صاحب کی سیرت کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ جناب دوسی کی تقریر کے بعد ہز اکسیلنسی ڈاکٹر مزّام بے کسی اور معروفیت کی وجہ سے تشریف لے گئے، اور جلسہ کی صدارت جناب حسین امام صاحب نے کی اور مولانا عبدالحامد بدایونی کی تقریر شروع ہوئی۔ مولانا نے نواب بہادر یار جنگ مرحوم کو مختلف زمانوں میں دیکھنے کا تذکرہ کرتے ہوئے ہر دور کی خصوصیات بیان کیں۔ آخر میں اس دور کا ذکر کیا جب کہ نواب مرحوم اور مولانا بدایونی نے مسلم لیگ کے لیے تائید حاصل کرنے کے سلسلہ میں صوبہ سرحد کا دورہ کیا تھا۔ مولانا بدایونی

کہ اس دورے میں نواب مرحوم کی بے مثال ہمت کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا تھا۔ مولانا بدایونی نے اپنے چشم دید حالات اور واقعات کا ایسے پُر درد انداز میں تذکرہ فرمایا کہ حاضرین بے حد متاثر ہوئے، اور بعض تو با آواز بلند رونے لگے۔ اس کے بعد غریب سالکی صاحب نے اپنی نظم سنائی اور پھر حسین امام صاحب نے تقریر کی جس میں آپ نے سیاسی نظریے کی وضاحت کی جو ریاست حیدرآباد میں مسلمانوں کی حکومت کے سلسلہ میں نواب مرحوم نے پیش کی تھی۔ حسین امام صاحب نے فرمایا کہ نواب بہادر یار جنگ اپنے بادشاہ کے وفادار تھے مگر وہ وفاداری ان معنی میں تھی کہ دکن کی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ مگر مسلمان اقلیت میں تھے۔ نواب مرحوم شاہ دکن کو تمام مسلمانان دکن کی اجتماعی طاقت کا مظہر سمجھتے تھے۔ اس لیے بادشاہ کے ساتھ وفاداری کو ضروری سمجھتے تھے اور خلوص دل سے سمجھتے تھے۔ یہ نواب مرحوم کا ایک نیا سیاسی نظریہ تھا۔ حسین امام صاحب نے نواب مرحوم کی جس دوسری صفت کا تذکرہ کیا وہ ان کا جذبہ ایثار تھا۔

حسین امام صاحب نے یہ ثابت کیا کہ نواب مرحوم کا جذبہ خلوص پر مبنی تھا اس لیے ان کا ایثار ایک بے باک ایثار تھا۔

جلسہ کے خاتمہ پر نواب مرحوم کا ایک دعائیہ ریکارڈ سنایا گیا جس کو سن کر بہت سے حاضرین پر رقت طاری ہو گئی۔

جلسہ میں دو ریزولیشن پیش کیے گئے۔ پہلے میں ان مظالم کے خلاف احتجاج کیا گیا جو بھارت میں مسلمانوں پر کیے جا رہے ہیں۔ دوسرے میں حیدرآباد ٹرسٹ کو توجہ دلائی گئی کہ وہ بہادر یار جنگ اکیڈیمی قائم کرے اور ان کے مشن کو آگے بڑھائے۔

تاریخ بے دادِ وصال قائدِ ملّت

۱۹۴۴ء

بتقریب واصل حق ممدوحِ عالم

۱۳۶۳ھ

مرجع انام الحاج نواب بہادر خاں بہادر یار جنگ

۱۸۶۶ء شک

طوطی بیان قائد ملت نوّر اللہ مرقدہٗ

۱۳۵۳ھ

مٹ گئے جو قوم پر ستم وہ فرد اثر ہو

۱۹۴۴ء

اے بہادر یار جنگ ملت کرم عزت نصیب

۱۸۶۶ء شک

مجمل سوانح حیات جلیل قدر قائد ملت مرحوم

۱۹۴۴ء

محمد بہادر خاں (دُرانی پٹھان) ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ م ۵ فروری ۱۹۰۵ء کو محلہ بیگم بازار حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ علی الترتیب مدرسۂ عالیہ (نظام کالج) مفید الانام، اولو الالباب میں تعلیم پائی۔ اٹھارویں سال سے چھبیس سال کی عمر تک والد کی وفات کے سبب خانگی گتھیوں کو سلجھانے میں رہے لیکن علامہ شمسی (سید اشرف) مرحوم سے استفادہ جاری رکھا۔ ۱۹۱۹ء

میں مجلس جاگیرداران کے معتمد اور ۱۹۲۰ء میں اسی مجلس کی طرف سے وضع قوانین میں نمائندے منتخب ہوئے اسی برس فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد بلاد اسلامیہ کا سفر کیا ۱۳۳۴ھ میں مجلس بلدیہ کے رکن اور بعد میں نائب صدر ہوئے۔ ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ لاہور کے سالانہ اجلاس کی آخری نشست میں ایمائے قائداعظم "جمہوریت ہند پر تقریر فرمائی۔ وکٹری پلے گراؤنڈ والے میلاد النبی صلعم کے عظیم الشان جلسے میں جب کہ حضرت خسرو دکن خلد اللہ ملکہ و دولۃ سلطنتہ بھی رونق افروز تھے۔ ایسی تقریر کی کہ بہادر یار جنگ خطاب سرفراز ہوا۔ ۱۹۲۷ء میں تبلیغ شروع کی تو چار سال کے اندر اندر بارہ سو کو مشرف بہ اسلام کیا۔ اس فریضہ کے انصرام کے لیے ممتاز علماء و اصحاب خیر کی جو مجلس قائم ہوئی اس کے بھی معتمد رہے ملکی سیاسی اقتدار کے حصول کی کوشش کے وقت "اتحاد المسلمین" جیسے قدیم ادارے کی تجدید میں علماء و مشائخین کے ساتھ ہمکان مولوی محمد نواز خاں صاحب (گھوڑوں کا چوک) آپ نے بھی فوری بعد حصہ لیا۔ اس کا پہلا سال مسلمانوں کی عام بیداری احساس کے لیے بہت ہی کامیاب رہا۔ دھول پیٹھ والے فرقہ واری قیامت خیز ہنگامے میں مرحوم کے دو نوجوان بھانجوں کی شہادت نے مسلمانوں کے سینوں میں انتقام کی آگ بھڑکا دی تھی۔ صبر و تحمل کا سبق آموز مظاہرہ فرمایا جس کا حکومت نے بھی اعتراف کیا۔ ریاست نظام میں ہندو دہرم کو آزادی نصیب نہیں کا پروپگنڈا ہوا تو اتحاد المسلمین کے نمائندوں سمیت معروف افراد ہوئے۔ چنانچہ الہ آباد میں مولانا ابوالکلام آزاد اور پنڈت جواہر لال نہرو سے گفتگو فرمائی۔

گاندھی جی جیسی ہستی نے بعد اطمینان حیدرآباد کی ستیہ گرہ کو موقوف کردیا۔ ۱۳۴۶ف میں ملکی سیاسی پیچیدگیوں کو سلجھانے کے لیے ہندو مسلم اتحاد کے تعلق سے میر اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر کی سب سے پہلی دعوت قبول کی۔ اور ۱۴ نشستوں میں گفتگو تقریباً طے کردی تھی کہ آبان ۱۳۴۶ف کے حکومتی مجلس اصلاحات کے اعلان نے شائع ہوکر معاملہ کو ختم کردیا۔ دوبارہ مسٹر نرسنگ راؤ اور مرحوم میں مفاہمت شروع ہوی۔ لیکن حکومت کے مسئلے میں جانبین کے اصرار نے منقطع کرادی۔

اس دوران میں حکومت نے نفاذ اصلاحات کا ارادہ معین کرلیا۔ مصلحت وقت کے پیش نظر نواب نے امن و اتحاد کے عظیم الشان جلسے میں قرارداد تشکر کے ساتھ تحریک التوا پیش کی جو باتفاق منظور ہوی۔ مزید آپ نے ارباب بست و کشاد سے بھی گفتگو کی مگر کامیاب نہ ہوی۔ بالآخر اپنی تقریر و تحریر کے ذریعہ اس عقیدے کی اشاعت فرمائی کہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی مسلمانوں کے سیاسی و تمدنی اقتدار کے مظہر ہیں اور حکومت آصفیہ کا اقتدار مسلم عوام میں مرکوز ہے۔ آپ کے افکار عالیہ کا دائرہ اثر وسیع ہوا کہ قائد اعظم سے گفتگو اور تائید کے بعد ریاستی مسلم لیگ کے قیام کا اعلان فرمایا جس کا پہلا اجلاس آپ ہی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ دستور کی منظوری عمل میں آئی اور بالاتفاق آپ ہی صدر منتخب کیے گئے۔ حیدرآباد اقتدار اعلیٰ اور اس کے مقبوضہ علاقوں کی واپسی کے مسئلے پر سب سے پہلے اتحاد المسلمین کے پلیٹ فارم سے خطبۂ صدارت میں روشنی ڈالی۔ ۱۹۴۰ء میں مجلس کے جدید دستور کے تحت آپ صدر منتخب ہوے۔ اور حیدرآباد کے اقتدار و مقبوضہ علاقہ جات استرداد

کی عملی کاروائی شروع کی۔ اگست ۱۹۴۷ء میں مقبوضہ علاقہ جات کا دورہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھا۔ موجودہ جنگ میں حکومت برطانیہ کی اعانت پر حکومت ہند کو جو شبہات پیدا ہوئے تھے ان کو دور فرمایا۔ اس اسلامی سلطنت (حیدرآباد) کی بقا و توسیع کی مہم سر کرنے کے لیے ہر وقت تیار تھے بارہا فرمایا کہ اپنی طاقت، دولت اور جان عزیز سے بھی دریغ نہیں۔ جیسا کہتے تھے کر دکھا گئے۔

افسوس ۳ رجب ۱۳۶۳ھ شب دوشنبہ کو بمکان مولوی ہاشم علیخاں صاحب رکن ہائیکورٹ بنجارہ ہل ایسے جاں نثار مالک، جاں نثار ملک اور جاں نثار قوم نے اپنی جان عزیز اچانک جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

آہ اخلاص مند انا للہ و انا الیہ راجعون۔

سال رحلت ہر زباں، دل کہہ رہا ہے اے نیاز
۱۳۵۳ف

قائد ملت جناں آباد ہوں جنت نصیب
۱۳۶۳ھ

خادمہ قومہ کا پیش کردہ
۱۳۵۳ف

رنجور و دلگیر احمد حسین نیاز ولد محمد ابراہیم ترکی کیاپے پرنٹ سالار جنگ بلڈنگ
۱۹۴۴ء

تحریک منجانب جمیع تاجران حیدرآباد دکن
۱۸۶۶ شک

سید شاہ بلیغ الدین حسین

دانائے راز

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

کہتے ہیں کہ شاعر پیدا ہوتا ہے بنتا نہیں یہ بات کچھ شاعری پر موقوف نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہر صاحب فن، ہر اہل کمال اپنی ذہنی صلاحیتوں اور فطری رجحانات کے سہارے ہی بڑھتا ہے۔ وقت اور ماحول میں تخلیقی قوت نہیں ہاں امداد استقامت کے لوازم ضرور ہوتے ہیں۔ پھر یکبارگی ابھرنا چاہے تو موجیں سہارا بن جاتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ موجوں کے بل ہوتے ہی سیاور ابھرنے لگے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ہندوستان کے مطلع سیاست پر قائد ملت کی شخصیت نمودار ہوئی تو یہ محمد علی کی وفات یا مہاتما گاندھی کی ذہنیت کا نتیجہ نہ تھا ایک پودے کی خواہش نمو تھی، ایک دریا کی فطرت روانی جس کی غیر اور وسیع دامنی جس کا تار و پود تھی۔ سوچئے تو کہ قیادت کی کونسی آن بان تھی رہنمائی کی کونسی شان جو خدا کے اس بندے سے اور بندوں کے اس ناخدا میں موجود نہ تھی۔ وہ کونسے نقش و نگار تھے جن سے باغبان فطرت نے اس گل سر سبز کو بنایا سجایا نہ تھا۔ قدرت نے دل دیا تھا اور کیا دل جو آئین مصطفوی اور سوز صدیقی سے معمور تھا۔ دماغ بخشا اور کیسا دماغ طوسی کی

طرح یگانہ سیاست اور لاری امور غزالی کی طرح دقیقہ رسی نکتہ شناس زبان دی تھی اور کسی زبان کہ خطیب بوستاں شرما جائے۔ سوسن کی لن ترانیاں بھی آب آب ہو جائیں۔ وجاہت ملی تھی اور کیسی وجاہت کہ دیکھتے ہی زبان پکار اٹھے ـــ ضیغم دکارتا ہوا نکلا کچھار سے ـــ! شانِ جمالی بھی تھی، شان جلالی بھی، انداز تمکنت بھی۔ آثار عجز افتادگی بھی جسد خاکی تھا۔ انسانیت کی پوری جلوہ فرمائیوں کے ساتھ انسانیت تھی۔ خلیفۃ الارض کی آن بان خلافت ارضی تھی مردِ مومن کی بہائیوں میں ایک شخصیت سی شخصیت تھی ایک وجاہت سی وجاہت شاہین زادۂ اقبال کا تصور تھا مجسم قیادت کا ایک نچوڑ تھا مشکل!!! ایک روح قلندری تھی متحرک!! نگاہیں اٹھتی تھیں تو دل بول اٹھتے تھے جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم۔ یا شیروں کے جگر جس سے دہل جائیں وہ طوفان۔

بندغم آج کے اس قائد کو مسلمانان ہند کے اس زعیم کو آب اور۔ خواب سے بے نیاز ہوئے دو سال گزرے ہیں پورے چوبیس مہینے اس عرصہ میں کس کس لمحہ اس کی یاد ستاتی ہے کیا بتایا جائے کہ کب کب نگاہوں نے اسے ڈھونڈا۔ کسی جلسے کا اعلان آیا تو آنکھیں آب آب ہو گئیں۔ کسی محفل کا نقشہ نظروں میں پھر گیا تو دل پاش پاش ہو گئے۔ میکرفون نظر پڑا تو نگاہیں کچھ ڈھونڈنے لگیں۔

دارالسلام کی یاد تو خلاء میں ایک ہیولیٰ سا بننے لگی۔ قائد اعظم کسی سے گفتگو کرنے والے ہوں تو یاد ستائے، ایوان و ایلیان ریاست کا کوئی غیر معمولی اجلاس ہو تو ریاستی مسلم لیگ کی کرسی صدارت کا خیال آئے، جو محلہ مبارک میں کوئی ضیافت ہو تو بیت الامت کی طرف ذہن دوڑے۔ مرنے والا مر چکا دنیا کے بکھیڑوں سے

چھوٹ کر اپنے خالق کے جوارِ رحمت میں جگہ پائے ہوئے ہے، لیکن ہمارا خیال برابر تڑپا رہا ہے۔ ایک بار سے جو لگا نہیں ہوتا ہے ایک یاد ہے جو کبھی چھوٹتی نہیں۔ غالب نے سچ کہا تھا ؎

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار لیکن میں اس خیال سے غافل نہیں رہا

آج حیدرآبادیوں کے قلوب اسی حقیقت کی ترجمانی کر رہے ہیں اور حیدرآبادی کیا بمبئی جاکر کوئی قائدِ اعظم سے پوچھے، یوپی میں کوئی عبدالماجد دریابادی کو دیکھ آئے، پنجاب جاکر کوئی بشیر احمد کو آواز دے، سرحد پر کوئی اورنگ زیب خاں کو پکارے، بلوچستان پہنچ کر قاضی عیسیٰ احمد سے مل کر آئے، ہائے اور وائے کی فضائیں ہیں۔ کون ہے جو آٹھ آٹھ آنسو نہیں رو رہا۔

ایں ماتم سخت است کہ گوئند جوانمرد

فکر و نظر۔ امیر گھرانے کا یہ پشم و چراغ اطلس و کمخواب کی زینت بنے اور عیش و نشاط میں داد عشرت دینے کے بجائے اپنی شان امارت نثار کرے، علم و پالکی اعزاز و مناصب خطاب اور جاگیر سب خدا کی راہ میں لٹا کر بیٹھا۔ تن من دھن سب ملک و قوم کی خدمت کے لیے پیش کر دیا۔ اپنے مقصد کے لیے چیختا رہا، پکارتا رہا۔ دائیں بائیں آگے پیچھے دوڑتا رہا بھاگتا رہا، شمال و جنوب، مشرق و مغرب ہر جگہ پہنچا ہر مقام پر گیا جہاں وہ مسلمانوں کے ایک خادم تخت و تاج آصفی کے ایک جاں نثار کی حیثیت سے نظر آسکتا تھا۔ دہلی میں اس نے سر سے گفتگو کی تو خطاب اور جاگیر سے دست کشی ایک باغی اور سرکش کی حیثیت سے نہیں، ایک صاحب دل اور وفا شعار خدمت گزار کی طرح

جس نے اپنی گرہ کا سارا سامان ملک و ملت کے لیے بطیب خاطر خود ہی لٹا دیا۔ سیاست فرنگ نے کوشش کی کہ لٹے ہوئے مسافر کو خرید لے۔ کہیں ایمان مومن بھی لٹا ہے۔ کتاب اللہ کو سمجھنے والے بھی ان طلسم کاریوں میں پھنسے ہیں یہ جادو اور اور بے سروں کے لیے۔ کشمیر سے ناحق ناروا نکال دیا گیا تو خدا کا یہ بندہ گھائل شیر سجل درندے کی طرح مغلوب الغضب نہیں لوٹا، ایک بردبار سپاس کی طرح ایک آشنائے گرم و سرد مدبر کی طرح جس نے دکھتی رگ کو پکڑا مقام سرزنش پر زنش کی۔ ایک ضرب کلیمی لگا دی اور مسکراتا ہوا آگے نکل گیا۔ دبی چنگاری کو دامن کی ہوا دینا نہایت ہی آسان ہے مگر شعلے بھڑک رہے ہوں تو ان پر قابو پانا مشکل ہے۔

خاکساروں کا مشتعل مجمع ہے، سر سکندر کی کوٹھی گھری ہوئی ہے اندیشہ ہے کہ تلواریں چلیں کہ اب پولیس کے سپاہی انتظام سے قاصر اور سراسیمہ ہیں پر غضب مجمع کا سنبھلنا کوئی ہنسی کھیل تو نہیں ایسے میں لسان الامت کو بلایا جاتا ہے۔ کہاں تو فلک شگاف نعرے تھے اور کہاں دیکھتے ہی دیکھتے امن و سکون کی فضا طاری ہو گئی۔

حیدرآباد میں ستیہ گرہ کا زمانہ یاد کیجئے کیا ہنگامہ آرائیاں تھیں۔ گلی کوچوں میں لڑائیاں ایک طرف، معصوم بچوں، انجان شہریوں کو پیرمنٹ اور ریوالوں میں زہر دیا جا رہا تھا۔ قائد ملت کے دو معصوم نو عمر عزیز گھیر گھار کر مار ڈالے گئے۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی مسلمانوں کا اشتعال دیدنی تھا بیٹھانوں نے ماؤں سے دودھ اور بیویوں سے مہر بخشوا لیا تھا۔ سر پر کفن باندھ کر نکلے تھے، یقین تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے حیدرآباد خون میں نہا جائے گا۔

دیکھ جائے ۔ انسانی سروں کا ایک سمندر تھا جو بیت الامت کے گرد مجمع تو تھا ہی بلکہ مجمع کیوں کہیے ایک فوج تھی جو اپنے سپہ سالار سے حکم سننے، فلک شگاف نعروں اور بل پڑی تیوریوں سے ایک ہیبت اور جلال کا منظر پیش کر رہا تھا جو وہ قائد اب سامنے تھا تلواروں اور . . . نیزوں کے سایہ میں پل کر جوان ہونے والا جوان سا جوان فکر مند قائد مجمع میں آیا۔ ذرا سے اشارے کی دیر تھی حیدرآباد کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی۔ لیکن جانتے ہیں اب کیا ہوا۔ اس میدان رزم میں رحمۃ اللعالمین کا نام لیوا عفو و کرم کا درس دینے لگا۔ کہاں کی کھنچی تلواریں اور کدھر کی خواہش، اب سیلاب اس امن و سکون سے واپس ہوا جیسے بیگم بازار کی فضا میں کبھی کوئی پرجوش نعرہ ہی بلند نہ ہوا تھا۔

مسکراتا ہوا قائد کوٹھی میں چلا سروجنی نائیڈو کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بیٹا پکارنے والی سیاس ماں نے کہا مجمعوں کو مشتعل کرنے والے مقرر تو میں نے دیکھے ہیں لیکن جوش اور پھر ایسے جوش پر قابو پانے والا خطیب نہ میں نے دیکھا اور نہ سنا۔ یہ شان خطابت یہ حوصلہ یہ فکر نظر۔

ترے جلوے کے آگے ہمت شرح و بیاں رکو دی

قلندر۔ جسے مال کی ہوس نہ ہو وہ جاہ و منصب کی پرواہ، اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ درویش قدامت کے لیے مقام اور منزل کا کیا تعلق نہ اسے دل سے مطلب نہ صفایاں سے۔ درویش سے نہ جو کلمہ زبان سے نکلتا ہے وہ دارالسلام کی فضا کے لیے بھی تھا شاہ منزل کے ماحول کے لیے بھی اپنے عزیز

سے عزیز ساتھی کی معمولی لغزش پر کڑی سے کڑی نکتہ چینی بھی نہ تھی۔ حکومت کے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدیداروں کی غلط روش پر سخت سے سخت تنقید بھی، دل نے ایک عجیب سی حرارت پائی تھی۔ ایک بے باکی ایک بے نیازی ہی بے نیازی جو خوف خدا کے سوا اور کوئی خوف لاحق نہ ہو سکتا تھا۔ وہ نواب رہ کر بھی قلندر رہا۔ اس کی شانِ قلندرانہ کوئی کیا بتائے۔

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

دانائے راز۔ ہندوستان کی سیاست کی فریب کاریوں نے حیدرآباد کے امن و امان پر چھاپہ مارا۔ آریہ سماجیوں کی یورش شروع ہوئی دیکھتے ہی دیکھتے ملک میں افراتفری شروع ہو گئی۔ حالات کے مایوس کن پس منظر میں ہیجان اور بے راہ روی کے پُرخطر ماحول میں مسلمانانِ کیلئے ایک خضر کی ضرورت تھی فراعنہ کے شر و فساد جواب انعطائے موسوی ہی ہو سکتا تھا۔ میلاد کی محفلوں سے لسان الامت نے نعرۂ حق بلند کیا۔ آئینگار کمیٹی نے بیٹھ کر جدید حیدرآباد کے لیے اپنی مخصوص گلکاریاں شروع کیں۔ ایک طرف سیاست حیدری تھی دوسری طرف اتحاد المسلمین کا نیا روپ کبھی برادران ملک سے گفتگوئے مفاہمت کبھی حکومت سے مراسلت۔ دن رات مصروفیت ہی مصروفیت رہی ملک و ملت کے لیے نیند اور چین حرام تھے بہت جلد کٹھن گھڑیاں گزر گئیں ناخن تدبیر نے بہت سی گتھیاں سلجھائیں مسلمانوں کی آرزوؤں اور تمناؤں کے لیے بیت الامت کا ایک سہارا مل گیا۔ مگر قائد ملت کہلانے والے خادم ملت کے لیے صبر آزمائیوں کا ایک باب کھل گیا۔ اس دانائے راز کے لیے کبھی جمعداری آڑے آئی کبھی خطاب اور جاگیر رکاوٹ بن گئے۔ محفل آرائیوں کی جگہ طرح طرح کی پابندیاں شروع

ہوئیں، منزل کٹھن تھی، راہ پرخطر، ایمان سلامت تھا اور خدا کا مضبوط سہارا بڑی سے بڑی قربانی دی، سارا ایثار کیا یہ سب مسلمان کے لیے ان کی تنظیم کے لیے دل میں ایک ہی خواہش تھی صرف ایک ہی۔

اگر کچھ ہو سکے خدمت اسلام کر جاؤں

یادگار۔ ملک و ملت کے لیے تن من دھن اڑا دینے والے سپاہی کی شہادت پر مسلمانوں نے کیا کیا؟ ہندوستان مردہ پرست سمجھا جاتا ہے۔ حیدرآباد زندہ پرست نہ مردہ پرست۔ ایسے مجاہد اور ایسے زعیم کی وفات کو آج دو سال گزرتے ہیں ملت نے اس کی کیا یادگار قائم کی، مجلس نے اس کے لیے کیا کوشش کی۔

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں

یادگار، تو مرد خدا کی خدمات ہیں۔ اس مجاہد اسلام کے اپنے اعمال ان کے آگے کوئی اور یادگار کیا قائم ہو سکتی ہے؟ یوں گرمی محفل کے لیے ٹیکنیکل کالج کی الاپ کچھ بری نہیں ان چوبیس مہینوں میں جانتے ہیں آپ مرنے والے کے ہمدم و دمساز ملک و ملت کے بڑے بڑے خدمت گزار کیا کچھ کر گزرے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا۔

نشان راہ۔ یہ سب باتیں ایک طرف لیکن یہ تو بتایئے کہ قائد ملت کی حیات اور وفات نے مسلمانوں کو کیا سمجھایا کیا بتایا۔ داغ مفارقت اپنی جگہ ایک مستقل ناسور بنی لیکن اس شہید ملت کی زندگی اور اس کی ذات دونوں نے جو نشان راہ ملت کے لیے چھوڑے اس پر عمل پیرا ہونے کی خواہش کیوں بیدار نہیں؟ جسے دیکھئے تو اس کی آنکھیں پرنم ہیں اور یہ اس لیے کہ

آبدیدہ ہونا معیار محبت قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ یہ صناعی مگر چھوٹے نگوں کی ریزہ گری ہے۔ ہائے اور وائے کا سہل اور آسان کام عورتوں اور بوڑھوں کے لیے ہے۔ جواں سال اور جواں ہمت افراد ملت کو لوتا قائد نے عمل اور یکسر عمل کی دعوت دی ہے لیکن کتنے قلوب ہیں اور کتنے ذہن جو نام نہاد اظہار محبت سے ہٹ کر صحیح معنوں میں اپنے قائد کی یاد اپنے عمل سے تازہ رکھے ہوئے ہیں۔ اتحاد المسلمین صرف بہادر یار جنگ کا پلیٹ فارم تھا تو بہادر یار جنگ کے ساتھ یہ پلیٹ فارم بھی ختم ہو گیا۔ اگر ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندیوں کا نام ہے تو قدرت خدمت اسلام کے لیے ہزاروں جمال الدین افغانی اور زغلول پیدا کرتی رہے گی۔ جنھیں قائد اعظم مرحوم سے تعلق خاطر ہے وہ مجلس سے اپنا رشتہ کیوں جوڑتے۔ ان کی ساری خدمت ملک کی کمال کو ٹھکرا کر صرف آنسو بہاتے رہنا نہ تقاضائے فراست ہے نہ شان مردانگی۔

مسلمانوں کے دعوے بڑے بڑے ہیں لیکن سچ سچ بتایئے کہ دو سال کے اس عرصہ میں مجلس کے ساتھ اپنی وابستگی کا مسلمانوں نے اور مسلمانوں کے قائدین نے کیا ثبوت دیا ہے۔

قائد گزر چکا ہے مگر مجلس زندہ ہے قیادت کا الٹ پھیر مقدر ہے لیکن یہ قوت نہیں، تنظیم کی الٹ پھیر مجلس کی شکست و ریخت یہ موت ہے۔ یہ سانحہ ارتحال سے اتاترک نے بستر مرگ سنبھالا تو قلب کو ایک سکون سا سکون تھا کس لیے کہ مرنے والے کو یقین تھا قومی شعور اتنا بیدار ہو چکا ہے کہ ترکی کا بچہ بچہ اب اتاترک ہے

قائدِ ملت نے اچانک وفات پائی لیکن آج ان کی روح کو اتنی آسودگی تو نصیب ہو کہ ملت کا بڑا تاؤ پیر حیات اجتماعی کے راز کو سمجھنا ہے۔ یہی حیاتِ اجتماعی سب کچھ ہے۔

یہی وہ سنگِ میل جس کی طرف قائد کی روح مسلمانوں کو برابر بلا رہی ہے۔

منفرد مسلمان اور یہ نشانِ راہ اچھی طرح سمجھ لیجئے۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

تعزیتی پیامات

قائداعظم محمد علی جناح کا تعزیتی برقیہ

آپ کے شوہر کی اچانک وفات کی خبر سن کر انتہائی رنج اور افسوس ہوا۔ آپ اس سانحہ عظیم میں میری دلی ہمدردیاں قبول کیجئے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اس صدمۂ عظیم کے برداشت کرنے کی توفیق عطا کرے۔

مس فاطمہ جناح

بہادر یار جنگ کے انتقال پر مجھے بڑا صدمہ ہوا۔ اس غم میں میں بھی آپ کی شریک ہوں۔ خدا آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

علامہ مشرقی کا تعزیتی برقیہ

بہادر یار جنگ کی بے وقت موت کی خبر سن کر مجھے بڑا صدمہ ہوا۔

ادارۂ عالیہ رنج و غم میں ڈوبا ہوا ہے

محترمہ بیگم صاحبہ مولانا محمد علی مرحوم رامپور کا تعزیتی مکتوب

مجھے نواب بہادر یار جنگ کے انتقال پُر ملال کی اطلاع اخبارات سے ملی تھی۔ اطلاع ملتے ہی خط تو اس وجہ سے نہ لکھ سکی کہ فوراً ہی لکھنؤ میں سب کمیٹی کی میٹنگ میں چلی گئی تھی وہاں پہنچ کر تعزیت کا تار ارسال کیا تھا امید ہے کہ ملا ہوگا۔ خط لکھنے کا موقع نہ مل سکا ان کا انتقال نہایت اندوہناک ہے اور ان کا جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے آپ کی جو حالت ہوگی اس کا مجھے بخوبی اندازہ ہے اللہ پاک مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کو صبر جمیل دے مرحوم کی ہستی مسلمانوں کے لیے اور مسلم لیگ کے لیے ایک نعمت تھی مشیت ایزدی کو یہی منظور تھا کہ ان کو ہم سے جلد جدا کر دیا جائے۔ گو وہ آج ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں لیکن ان کی بے لوث حب قومی یاد رہنے والی چیزیں ہیں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ مرحوم کی تعزیت کے سلسلہ میں جو مختلف مقامات پر جلسے ہو رہے ہیں ان کا حال بھی پڑھ رہی ہوں مسلمانوں کے لیے وہ ایک قابل قدر ہستی تھے۔ مرحوم سے پچھلے سال کراچی میں ملاقات ہوئی تھی۔ دو روز تک ان کی تقریر سنتی رہی۔ اس کے بعد ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ ملاقات ہوتی اور خدائے عزوجل نے ان کو ہمارے پاس سے اٹھا لیا اس کی مرضی یہی تھی جس میں کوئی چارہ کار نہیں۔

مولانا ظفر علی خاں کا تعزیتی بیان

ایک دردناک سانحہ کا جب مجھے خیال آتا ہے تو ایک بجلی سی دل پر گرتی ہے۔ بہادر خاں جیسے شخص روز روز پیدا نہیں ہوا کرتے "قرن باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود"۔ بہادر خاں صرف دکن ہی کے رہنما نہ تھے بلکہ ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے دلوں پر گھر چکے تھے۔ ان کے مرنے سے سارے ہندوستان میں کہرام مچ گیا اور بلا خوف و تردید کہا جا سکتا ہے کہ جیسا عالمگیر ماتم ان کا ہوا اور کسی کا نہیں ہوا۔ خدائے بزرگ و برتر نے دل و دماغ کی جو قابلیتیں ان کی ذات میں جمع کر دی تھیں وہ بہت کم انسانوں کو میسر آتی ہیں۔ وہ ایک نہایت فصیح خطیب تھے اور جب کسی مجمع میں بولتے تھے تو سننے والوں کے دلوں پر جادو کے ڈورے ڈال دیتے تھے۔ ان کے دل میں اسلام کا درد تھا اور یہ درد انہیں ہر وقت بے چین رکھتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان میں مسلمان عزت و آبرو کی زندگی بسر کریں اور ہمسایہ قوموں میں مسلمانوں کا رتبہ بلند ہو، اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتیں وقف کر دی تھیں۔ مجھے ذاتی طور پر ان کا نیازمند ہونے کی حیثیت حاصل تھی۔ تاجدارِ دکن اعلیٰ حضرت نواب عثمان علی خاں مدظلہ العالی کی ذات گرامی کے ساتھ مرحوم کو جاں نثارانہ عقیدت تھی اور ان کی یہ تمنا تھی کہ مسلمانانِ دکن اس روشن خیال تاجدار کے سایہ عاطفت میں ترقی کے وہ تمام مدارج طے کرنے میں کامیاب ہوں، جو زندہ قومیں طے کیا کرتی ہیں۔

خدائے بزرگ و برتر مرحوم کو جوار مغفرت میں جگہ دے اور ملت کو نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں

جامعہ ملیہ کے اراکین اور میں اس عظیم بہادر کے اچانک انتقال پر آپ کے ساتھ رنج و غم میں شریک ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بدایوں کا تعزیت نامہ

مولانا عبدالحامد قادری بدایونی

نواب بہادر یار جنگ کے اچانک انتقال سے ہم سبھوں کو صدمہ پہنچا۔ افسوس ہے کہ ایک بڑا خطیب اٹھ گیا۔ کل ہند ریاستی مسلم لیگ اور مجلس اتحاد المسلمین دونوں کے لیے یہ ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ میں مرحوم کی بیگم صاحبہ اور ان کے خاندان سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ان کی روح کو کروٹ کروٹ چین نصیب کرے میری مخلصانہ اپیل ہے کہ آپ اس صدمہ کو صبر و سکون سے برداشت کریں اور مجلس اتحاد المسلمین کو تقویت دیں۔ مرحوم کے احباب و متوسلین مجلس اتحاد المسلمین کی ممکنہ امداد کریں گے۔

مسٹر عبد العزیز کا پیام

باب حکومت سلطنت اسلامیہ آصفیہ کے سابق رکن مسٹر عبد العزیز کا بیان "عین شباب کے زمانہ میں ان کی وفات مسلمانان ہند کے لیے بالعموم اور مسلمانان حیدرآباد کے لیے بالخصوص ایک زبردست مصیبت ہے اور اس حادثہ سے دور و نزدیک ہر جگہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ غیر مسلموں کو بھی جو اُن کے خلوص، بے غرض پبلک خدمت ہمت اور گہری حب الوطنی کو محسوس کرتے تھے۔ انتہائی صدمہ ہوا۔"

مولانا عبد الرؤف شاہ صاحب کا بیان

حیدرآباد۔ ۱۱ر شہریور۔ مولانا عبد الرؤف شاہ صاحب رکن مجلس عاملہ کل ہند مسلم لیگ و صدر صوبائی مسلم لیگ صوبہ متوسط آج صبح بیگم قائد ملت کو تعزیت ادا کرنے حیدرآباد تشریف لائے ہیں۔ "ملت اسلامیہ کی یہ انتہائی بدبختی ہے کہ وہ ہم سے اتنا جلد چھین لیے گئے۔ یقین مانیے کہ مرحوم کا ہندوستان میں کوئی بدل نہیں ایسی شخصیتیں صدیوں میں بڑی مشکل سے پیدا ہوا کرتی ہیں۔"

ہز ہائی نس نواب صاحب بھوپال

"عین جوانی میں آپ کے شوہر کی بے وقت اور اچانک موت کی

خبر سن کر مجھے بے حد ملال ہوا۔ ان کے انتقال سے صرف حیدرآباد ہی نہیں بلکہ سارا مسلم طبقہ ایک بے لوث خدمت گزار اور سچے محب وطن سے محروم ہو گیا وہ ایک زبردست عالم تھے۔ انھوں نے اسلام اور اپنے ملک کی خدمت کے لیے زندگی وقف کر دی تھی۔ اس دردناک جدائی میں میری اور کروڑوں ہم وطنوں کی دلی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔

نواب صاحب محمد وٹ

دورہ سے واپس ہوا۔ آپ کے شوہر کے انتقال کی دل ہلا دینے والی پُرسوز خبر ملی۔ مرحوم میرے بچپن کے ساتھی تھے اور اب تک میرے اور ان کے درمیان انتہائی پُرخلوص تعلقات برقرار تھے۔ وہ حقیقی اسلامی زندگی کا نمونہ تھے وہ جس چیز کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ہندوستان ایسے زبردست قومی سانحہ کے لیے تیار نہ تھا۔ ان کا جسد خاکی فانی تھا۔ مگر ان کے شاندار کارنامے حق راہ پر نوجوانوں کے لیے ہمیشہ ایک نشان راہ ثابت ہوں گے۔ پیاری بہن میری دلی اور پُرخلوص ہمدردیوں کو قبول فرمائیے۔

سردار اورنگ زیب خاں وزیر اعظم صوبہ سرحد کا تعزیتی پیام

نواب صاحب کی موت اتنی المناک اور رنج دہ ہے کہ جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ مسلم ہندوستان ایک عظیم ترین محب وطن سے محروم

ہوگیا۔ آپ اپنے رفیق حیات سے محروم ہوگئیں اور میرا عزیز ترین بھائی مجھ سے بچھڑ گیا۔ لیکن کیا کیجئے خدا کی مرضی۔ خدا آپ کو اس صدمہ عظیم کو برداشت کرنے کی طاقت عطا فرمائے۔ "آمین"

وزیر داخلہ سندھ آنریبل گزور کا تعزیتی پیام

مجھے بہادر خاں صاحب کی اچانک اور افسوس ناک انتقال کی خبر سے گہرا صدمہ ہوا۔ ہم نے اپنا بہترین کارکن اور مسلم ہند کے مفاد کا عظیم مجاہد کھو دیا۔ ان میں یقین کی جرأت تھی اور وہ صداقت اور قربانی کا نمونہ تھے۔ انھوں نے اپنی خداداد لاثانی قوت تقریر کو مسلم قوم میں نئی روح پھونکنے کے لیے استعمال کیا۔ وہ ہندوستان میں مسلم قوم کی نشاۃ ثانیہ کے علمبردار تھے۔ میں ایک ساتھی ایک ہندوستانی کی حیثیت میں ان کی موت پر ماتم کرتا ہوں۔ میری ساری ہمدردیاں میرے دوست کے خاندان کے ساتھ ہیں جو اب زندہ نہیں ہے۔

وزیر اعظم بنگال خواجہ ناظم الدین کا بیان

ان کی بے وقت موت کی اطلاع سن کر صدمہ ہوا، اور بے حد رنج ہوا۔ وہ ایک بڑے مقرر تھے اور انھوں نے کل ہند مسلم لیگ کے جملہ اجلاسوں میں شرکت کی تھی جہاں ان کی تقاریر سب سے زیادہ جاذب

تو جدر ہتیں۔ انھوں نے ریاستی مسلم لیگ کی بیش بہا خدمات انجام دیں اور ان کی وفات سے مسلم ہند کا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔

خان بہادر اقبال احمد چودھری نائب صدر بنگال کونسل

ان کے اچانک انتقال کی خبر سن کر مجھے دلی صدمہ پہنچا۔ ہندوستان آج اپنے ایک محبوب ترین اور عظیم ترین فرزند کی وفات پر ماتم کر رہا ہے انھوں نے اپنے ملک کی جو خدمات انجام دی ہیں ان کو ہمیشہ قدر و احترام کے ساتھ یاد رکھا جائے گا۔ ملک کے ایک ایسے ممتاز فرزند اور قائد کی وفات یقیناً ایک سانحہ عظیم ہے جو حق کی حمایت میں ہمیشہ لڑتا رہا۔

وزیر اعظم سندھ کا حزن وملال

سر غلام حسین ہدایت اللہ (وزیر اعظم سندھ) نے کہا کہ مجھے قائد ملت کے انتقال کی خبر سے دلی صدمہ پہنچا، یہ ایک زبردست سانحہ ہے ان کی موت مجموعی طور پر سارے ہندوستان اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کا ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

ایرانی کونسل کا تعزیت نامہ

آپ کے عالی مرتبہ شوہر کی اچانک اور بے وقت موت سے بڑا صدمہ پہنچا۔

۱۹۴۲ء میں ہم نے ان سے ایک اجنبی کی حیثیت سے ملاقات کی تھی لیکن چند ہی دنوں میں واپسی کے وقت ایک عزیز ترین دوست سے جدا ہوئے تھے۔ وہ ایک ایسے مسلمان تھے جن پر دنیا کے ہر خطّہ کے مسلمان بجا طور پر فخر کر سکتے تھے۔

چودھری غلام عباس صدر کشمیر مسلم کانفرنس

نواب بہادر یار جنگ صاحب کے انتقال کی خبر سن کر مجھے بے حد صدمہ پہنچا۔ جموں کشمیر مسلم کانفرنس اور اپنی جانب سے مرحوم کے پسماندگان کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں

مرزا یوسف شاہ صاحب نے فرمایا ان کے انتقال سے کل ہند ریاستی مسلم لیگ کے استحکام کا مضبوط ترین ستون منہدم ہو گیا۔

حیدرآباد کا جمال الدین افغانی

حیدرآباد:۔ ۲۷ رام داد:۔ انجمن طلبائے قدیم جامعہ نظامیہ انجمن طلبائے علوم مشرقیہ اور ترقی تعلیم اسلامی اور کل حیدرآباد نظامیہ برادری کی مشترکہ قرارداد تعزیت :۔

حیدرآباد کے جمال الدین افغانی مولوی محمد بہادر یار جنگ کی جدائی سے ملک کو جو نقصان عظیم پہنچا جس کی تلافی ناممکن ہے۔ حیدرآباد کی تاریخ میں آج تک ایسا قائد پیدا نہیں ہوا جس کے پیش نظر ملک کی بہبودی کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ قائد ملت

ہم سے جدا ہو گئے مگر ان کا قائم کردہ نظام باقی ہے۔ ان کی جدائی خالد بن ولید کی طرح ملتِ اسلامیہ کے لیے یقیناً فائدہ مند اور کارآمد ہوگی۔ اب قوم کا کام ہے کہ منتظم حالت میں مرحوم کے کام کو جاری رکھیں۔

نائب صدر کل ہند مسلم وفاق طلباء

حیدرآباد۔ ۲۴ امرداد۔ مسٹر عبدالحمید نائب صدر کل ہند مسلم وفاق طلبا "قائد ملت کے بے وقت انتقال کی وجہ سے نہ صرف مسلمانانِ ریاست ابد مدت کا بلکہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں کا ناقابلِ تلافی نقصان ہوا ہے۔ ہمارا ناخدا ہماری کشتی کو عین منجدھار میں چھوڑ کر چل بسا۔ خداوند تعالیٰ قائد ملت کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔"

مجلس ہومیوپیتھک کی تعزیتی قرارداد

بتاریخ ۲۲ امرداد مجلس نظامیہ ہومیوپیتھک کالج کا ایک غیر معمولی جلسہ بصدارت ڈاکٹر دوارکا پرشاد نگم صاحب جاگیردار بہ مقام عثمان شاہی حفظیہ منزل بوقت (۵) ساعت شام منعقد ہوا، اور حسب ذیل قرارداد تعزیت منظور کی گئی۔

"قائدِ ملت مولوی بہادر خاں صاحب کی اچانک اور بے وقت وفات حسرت آیات پر یہ جلسہ انتہائی رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے اس حادثۂ عظیم کو ملت اسلامیہ کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان قرار دیتا ہے۔ اور اللہ پاک سے

دعا کرتا ہے کہ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

قرارداد تعزیت

(حیدرآباد و سکندرآباد کی اٹھارہ انجمنوں کی جانب سے)

خواتین حیدرآباد و سکندرآباد کا یہ نمائندہ جلسہ منعقدہ صدر مجلس مسلم خواتین نواب بہادر یار جنگ کے اچانک سانحۂ ارتحال پر عمیق رنج و اندوہ کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم کی پُرخلوص قومی و ملکی خدمات ہمیشہ یاد رہیں گی ان کی بیگم صاحبہ کے اس عظیم و ناقابل تلافی نقصان پر یہ اجتماع دلی ہمدردی کے ساتھ شریک رنج و غم ہے۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا یہ جلسہ قائد ملت لسان الامت نواب بہادر یار جنگ کی اندوہناک وفات پر اپنے عمیق رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم نواب صاحب مجلس اتحاد المسلمین حیدرآباد دکن اور آل انڈیا اسٹیٹ مسلم لیگ کے بانی و صدر اور آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک سربرآوردہ لیڈر ہونے کے علاوہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے بھی لائف ممبر اور خاص بہی خواہ و سرپرست تھے آپ کی رحلت مسلمانوں کی قومی تحریک اور متذکرہ بالا ملی اداروں کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ یہ جلسہ دست بدعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے نواب صاحب مرحوم و مغفور کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کی بیگم صاحبہ محترمہ اور دوسرے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

انجمن صحافت

حیدرآباد: ۲۶ر امرداد۔ انجمن صحافت حیدرآباد کا یہ جلسہ عام قائد ملت مولوی محمد بہادر خاں صاحب مرحوم و مغفور کی بے وقت وفات کے سانحۂ عظیم پر دکن اور مرحوم کی بیگم صاحبہ اور دیگر اعزا سے اظہار تعزیت کرتا ہے اور مرحوم کی حسرت ناک وفات کو ایک عظیم الشان قومی نقصان سمجھتا ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

مجلس مدیران جرائد

حیدرآباد: ۲۶ر امرداد۔ قائد ملت مولوی محمد بہادر خاں صاحب کے سانحہ ارتحال پر اظہار تعزیت کے لیے انجمن مدیران جرائد حیدرآباد کا ایک جلسہ کل شام مسٹر علی اشرف مدیر تنظیم کی قیامگاہ پر منعقد ہوا جس میں ایک قرارداد کے ذریعہ قائد ملت کے اچانک اور بے وقت انتقال پر گہرے رنج و ملال کا اظہار کیا گیا۔

خان بہادر احمد نواز جنگ

آج میرے ایک دوست کا انتقال ہوگیا ہے جو مجھے سب سے زیادہ عزیز تھے۔ میرے لیے بھی اور خود حیدرآباد کے لیے یہ ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ حضرت اقدس و اعلیٰ کے ساتھ ان کی وفاداری اور ملک کے ساتھ ان کے والہانہ

جذبات محبت اور بالخصوص مسلمانوں سے ان کا بے پایاں خلوص آج تک کسی میں نظر نہ آیا اور نہ اس کی توقع ہے کہ مستقبل میں ایک عرصہ تک کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جو ہر لحاظ سے بہترین قائد ایک مہربان اور مخلص دوست اور سب سے بڑھ کر تنظیمی صلاحیتوں کا حامل قائد تھا۔

ڈاکٹر لطیف سعید کا تعزیتی بیان

ایک دعوت میں جب کہ میں مرحوم کے ساتھ باتیں کر رہا تھا اور اشتراکیت کا موضوع اتفاقیہ زیر بحث آگیا تو میں نے کہا کہ آپ کا یہ خیال کہ اگر آپ مسلمان نہ ہوتے تو اشتراکی ہوتے صحیح نہیں ہے۔ اس کے بجائے آپ کو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ میں مسلمان ہوں اس لیے اشتراکی ہوں مرحوم اس سے بے حد متاثر ہوئے۔ ایک دوسرے موقع پر میں نے مرحوم سے یہ کہا کہ آپ نے اپنی خدمت کے دائرے کو صرف ایک گوشہ تک کیوں محدود کر دیا ہے۔ آگے بڑھو اور ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کے قائد بنو۔ اس پر مرحوم نے کہا کہ ابھی مسلمان پیچھے ہیں میں ان کو تھوڑا اور منظم کر لوں تو پھر ہندو اور مسلمان دونوں کے لیے کام کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ اگر ان کی زندگی وفا کرتی تو وہ ہندو مسلمانوں کے لیے آل انڈیا لیڈر بن کر رہتے۔

بہادر خاں مسجد اور اسلامیہ کالج کی تجویز کا شاندار خیر مقدم اور کئی ہزار کا فوری چندہ

حیدرآباد، ۲۵ امرداد: تعزیتی جلسہ میں مولوی عبدالرؤف صاحب ایڈوکیٹ

نے اپنے محبوب ترین قائد کی زندۂ جاوید یادگار قائم کرنے کی تحریک کی۔ طے پایا کہ بطل حریت مجاہد اعظم کی زندگی کی دو آخری تمنائیں ہیں ایک یہ کہ دارالسلام میں ایک مسجد تعمیر کی جائے اور ایک ٹکنیکل اسلامیہ کالج قائم کیا جائے۔ چنانچہ جیسے ہی اس تحریک کا اعلان کیا گیا حاضرین نے پرجوش استقبال کیا اور حسب ذیل حضرات نے چندوں کا اعلان کیا۔ اس تحریک کی تائید مولوی سید فضل حسین خاں صاحب ایڈوکیٹ نے کی۔ میمن جماعت کی جانب سے کالج کی عمارت کی تعمیر کا وعدہ کیا گیا۔ مولوی سید حسین صاحب عرف چاند میاں نے کیمیکل لیبوریٹری کی جملہ ضروریات کی تکمیل کا وعدہ کیا۔ نواب دوست محمد خاں صاحب جاگیردار نے دو ہزار ڈاکٹر رضی الدین صاحب نے ایک ہزار، ڈاکٹر منور علی صاحب نے ایک ہزار، مولوی ابوالحسن سید علی صاحب نے پانچ ہزار، نعمانی برادران ایک سو، مولوی سید قاسم رضوی صاحب کی جانب سے مولوی سید حسین علی تاجر موٹر تار نے ایک ہزار مولوی محمود علی صاحب پانچسو، مولوی حبیب محمد خاں صاحب پانچسو، مولوی ابرہیم حسین صاحب پانچسو، نواب دولت خاں صاحب نے ایک ہزار، نواب شاہ یار جنگ بہادر نے ایک ہزار کلدار کا وعدہ کیا اس کے علاوہ خان صاحب ابو عبدالکریم خاں صاحب نے مسجد کی پوری تعمیر کا وعدہ کیا، اس مسجد کا نام بہادر خاں مسجد ہوگا۔

مسلمانانِ بمبئی کا تعزیتی جلسہ

بمبئی: ۲۸ جون: قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کے سانحۂ ارتحال پر اظہار تعزیت کرنے کے لیے مسلمانانِ بمبئی کا ایک عظیم الشان جلسہ تعزیت بارغ ۳ بجے بصدارت

مسٹر چندری گر منعقد ہوا۔ مسٹر چندری گر نے مسلمانان بمبئی کے اس عظیم اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ یہ جلسہ مولانا بہادر خاں صدر کل ہند ریاستی مسلم لیگ و صدر انجمن اتحاد المسلمین کے اچانک انتقال پر رنج و ملال ظاہر کرنے کے لیے منعقد ہوا ہے۔ بہادر خاں اسم بامسمیٰ تھے۔ انھوں نے عہد طفولیت سے ہی کبھی خطرہ کا مقابلہ کرنے میں پس و پیش نہیں کیا۔ انھوں نے اپنی زندگی مسلمانوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ و صیانت کے لیے وقف کر دی تھی۔ اس کے بعد مسٹر چندری گر نے کہا کہ مسلمان مولانا بہادر خاں کے عزم و ہمت، جدوجہد میں اپنا نمونۂ عمل بنائیں۔ انھوں نے مسلمانان حیدرآباد کی ایسی خدمت کی کہ حیدرآباد کو حقیقی معنوں میں عظیم تر حیدرآباد بنا دیا۔ وہ اسلامیات اور تاریخ اسلام کے جید عالم تھے۔ ان کی زبردست قوت خطابت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ کل ہند مسلم لیگ کی سالانہ میقات میں قائد اعظم کی تقریر کے بعد حاضرین ان کی تقریر کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ اس کے بعد حیدرآباد مسٹر صدیق محمود نے تقریر کرتے ہوئے قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کے اوصاف پر روشنی ڈالی۔ دیگر مقررین میں ڈاکٹر عبد الحامد قاضی اور مولانا اکرام علی شامل تھے۔ جلسہ نے ایستادہ ہو کر حسب ذیل قرارداد تعزیت منظور کی۔

"مسلمانان بمبئی کا یہ جلسہ عام مولوی محمد بہادر خاں صاحب کے بے وقت اور اچانک انتقال پر اپنے عمیق رنج و ملال کا اظہار کرتا ہے۔ اس وقت جب کہ مسلم ہند کو ان کی سخت ضرورت تھی۔ ان کی وفات نے ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ یہ جلسہ خدائے بزرگ و برتر سے دعا کرتا ہے کہ وہ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔"

بمبئی کے عربوں کا ماتم

بمبئی: ۲۷ جون، صلاح الدین عبدالجواد صاحب نے حسب ذیل تعزیتی برقیہ روانہ فرمایا ہے۔ مولوی بہادر خاں صاحب کی ناوقت وفات پر بمبئی کے عرب اپنے گہرے رنج و ملال کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے انتقال سے ہندوستان اور عالم اسلام کے ایک بڑے زعیم کا نقصان ہوا۔ بمبئی کے عرب مرحوم کے خاندان سے مخلصانہ تعزیت کرتے ہیں۔

پونا میں ماتم

پونا میں مقامی مسلم لیگ کے زیر اہتمام جلسہ منعقد کیا گیا اور مسلمانان پونا نے مجاہد ملت مولوی محمد بہادر خاں کی وفات پر رنج و ملال کرتے ہوئے تعزیتی قرارداد پیش کی۔

مدراس میں غائبانہ نماز جنازہ

مدراس ۔ ۳۰ جون ۔ آنریبل سر ایم پاشا، صدر صوبائی مسلم لیگ کی ہدایت کے مطابق شہر مدراس کے تمام مساجد میں نواب بہادر یار جنگ بہادر مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کے لیے نماز غائبانہ پڑھی گئی۔

ڈاکٹر نعمت اللہ میر بلدیہ مدراس کا بیان

بہادر یار جنگ کے اچانک انتقال سے مجھے صدمہ ہوا جیسا کہ ہر مسلمان کو ہونا ہے۔ حقیقتاً وہ ادبی دنیا کے روشن ستارے تھے جن کو خطابت میں کمال حاصل تھا۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اس قدر جلد اپنے کام کو ادھورا چھوڑ کر خصوصاً جب کہ ہندوستان کو ان کے جیسے قائد کی ضرورت تھی چل بسیں گے۔ وہ فطرتاً شریف اور وطن پرست تھے اور ان کی وفات سے ہندوستان ان خوبیوں سے محروم ہو گیا، وہ صف اول قائد تھے جن کی گفتار و کردار میں یکسانیت تھی۔ اب مسلم قوم کو ان کے جانشین منتخب کرنے کا دشوار کام انجام دینا ہے۔

مدراس کے مسلم طلبا کی فیڈریشن کا جلسۂ تعزیت

مدراس، ۲۸ جون:۔ مدراس کے مسلم طلبا کی فیڈریشن کا آج ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں نواب بہادر یار جنگ بہادر کی وفات حسرت آیات پر ایک تعزیتی قرارداد منظور کی گئی۔

مسلم لیگ آنبور

مسلم لیگ آنبور نے اپنے برقیہ میں لکھا ہے کہ قائد اعظم کی وفات کو دلی رنج و غم سے سنا گیا۔ مسلمانوں نے ایک مجاہد کھو دیا۔

بنگلور میں قائد ملت کا ماتم

بنگلور :۔ ۲۷ جون ، قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کے سانحۂ ارتحال کی خبر جیسے ہی بنگلور پہنچی مسلم حلقوں میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی مسلمانوں کی ساری دکانیں اور تمام کاروبار بند کر دیا گیا۔ شام کے ۴½ بجے بعد ارت خاں صاحب محمود شریف صاحب صدر آل میسور اسٹیٹ مسلم لیگ جلسہ تعزیتی متصل سلور جوبلی پارک جامع مسجد کے خطۂ زمین پر منعقد ہوا جس میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی۔

قائد ملت کے شاندار خدمات کو خراج تحسین ادا کرتے ہوے ان کی بے وقت وفات کو ملک و ملت کے لیے ناقابل تلافی نقصان سے تعبیر کیا گیا اور مسلمانوں نے قائد ملت کی مغفرت کے لیے دعا کی۔

دہلی میں ماتم

دہلی کے جلسوں میں مسلمانوں نے اس زبردست قومی حادثہ پر رنج و غم کرتے ہوئے تعزیتی قراردادیں منظور کی گئیں۔

علی گڑھ یونیورسٹی میں جلسۂ تعزیت

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں مولوی محمد بہادر خاں صاحب کی وفات حسرت آیات پر ڈاکٹر سر ضیاء الدین کی صدارت میں جلسہ تعزیت منعقد ہوا، اور

حسب ذیل قرارداد منظور ہوئی۔

"مسلم یونیورسٹی کے طالب علم اور اسٹاف کو کل ہند اسٹیٹ مسلم لیگ کے صدر قائد ملت مولوی محمد بہادر خاں صاحب کی ایسی نازک حالت میں جب کہ ان کی سخت ضرورت تھی موت سے سخت صدمہ پہنچا ملا اور اسٹاف کا یہ تعزیتی جلسہ قائد ملت کے لیے دعائے خیر کرتا ہے کہ خدا ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان بالعموم مسلمانوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"

وائس چانسلر نے اعلان کیا کہ مرحوم کے اظہار احترام کے طور پر آج یونیورسٹی اور اس کے متعلقہ ادارے بند رہیں گے اور کھیل کود بھی۔

پٹنہ میں تعزیتی جلسے

پٹنہ :- ۲۹ر جون :- نواب بہادر یار جنگ کے انتقال پر ملال سے مسلم حلقوں پر رنج و الم کی گھٹا چھا گئی۔ کئی ایک تعزیتی جلسے منعقد کیے گئے جس میں مرحوم قائد کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے خراج تحسین ادا کیا گیا۔

کپورتھلہ میں ماتم

کپورتھلہ :یکم جولائی: مسلم لیگ کے زیر انتظام نواب بہادر یار جنگ بہادر کی المناک موت پر ماتم کرنے کے لیے یہاں ایک جلسۂ عام منعقد کیا گیا تھا جس میں

ایک تعزیتی قرارداد منظور کی گئی یہاں مسلم تاجروں کی تمام دوکانیں بند رہیں اور بہت سارے ہندو تاجروں نے بھی اپنے کاروبار بند رکھے۔

بلدیہ کلکتہ کا تعزیتی جلسہ

کلکتہ:۔ ۲۸ جون۔ مولوی بہادر خاں صاحب کی وفات حسرت آیات پر کلکتہ کارپوریشن نے تعزیتی قرارداد منظور کی۔ بعد منظوری قرارداد بطور احترام اپنے اجلاس کو دس منٹ تک ملتوی کر دیا۔

کشمیر میں تعزیتی جلسے

کشمیر میں کوئی ایک ہفتہ تک ۲۲ تعزیتی جلسے منعقد ہوئے جس میں بطل حریت کی اچانک موت پر سخت ترین رنج و ملال کا اظہار کیا گیا۔

لاہور کی ماتم گساری

لاہور:۔ ۲۶ جون۔ قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کی بے وقت اور پُرحسرت موت کی اطلاع یہاں اور ینٹ پریس کے توسط سے وصول ہوئی۔ اس افسوسناک اور پُرملال خبر سے مسلمانان لاہور کو دلی صدمہ پہنچا۔ اس عظیم المرتبت قائد کی یاد میں اور ان کے احترام میں آج لاہور کے مسلم حلقوں تمام کاروبار بند رہے تمام مسلم تعلیمی اداروں کو تعطیل دے دی گئی اور ہر ایک مسلمان ان کی یاد میں غمگسار رہے۔

ارشاداتِ قائدِ ملّت

نواب بہادر یار جنگ رح

ساری تعریف اس خدائے قدیر و قیوم کو سزاوار ہے جس کا تخت عظمت و جلال ہمیشہ سے آراستہ ہے اور ہمیشہ آراستہ رہے گا اور جس کی بارگاہِ عزّ و وقار میں صرف ان افراد اور قوموں نے جگہ پائی جنھوں نے نتائجِ اعمال کا یقین رکھا اور عملِ صالح کو شعار بنایا اور جس کے آستانۂ مقدس سے وہ دستکار دیئے گئے جو کچھ دے کر کے سب کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے جس کی قرب و نزدیکی کا مقام صرف ان ہی کو نصیب ہوا جنھوں نے اس کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹایا اور اس کی مسند الوہیت سے خلّت و دوستی کا مرتبہ اُن ہی کو عطا ہوا جنھوں نے اس کے لیے اپنے لختِ جگر اور خونِ دل تک کی پرواہ نہ کی۔ درود و سلام اس افضل الرسلؐ اور سید الانبیاءؐ پر جس نے ہم مسلمانوں کے لیے سُنّت ابراہیمؑ کو ایک مستقل وظیفۂ حیات قرار دیا اور دینِ حنیفؑ کو زندگی دوام عطا کی۔

عسکریت اور اسلام

مسلمان کی زندگی کا نمایاں پہلو اس کی عسکریت اور سپاہیت ہے۔

جس حیات مقدس کو کائنات ارضی کے سارے انسانوں کے لیے نمونہ بنایا گیا۔ اُس پر اگر آپ کی نظر ہے تو دیکھیں گے کہ ارشاد و ہدایت کے عظیم والشان فرائض کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ جو پہلو اس حیات طیبہ میں سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے وہ آقائے دو جہاں کی عسکریت ہے۔ ہر مسلمان اعلائے کلمۃ الحق کے لیے خدا کی فوج کا ایک سپاہی ہے اور اگر عہد حاضر کے مسلمان سپاہیت کی طرف غفلت برت رہے ہیں تو یقیناً وہ اپنے رسول کی پیروی سے غفلت برت رہے ہیں۔ آقائے دو جہاں کا متروکہ نہ درہم تھے نہ دینار۔ نہ لونڈیاں تھیں نہ غلام، املاک تھے نہ تجارت، لیکن امہات المومنین کے تنگ حجرے اگر آپ کے کسی اثاثہ اور متروکہ سے بھرے ہوئے تھے تو وہ آپ کی تلواریں، آپ کی زرہیں آپ کے خود، اور آپ کی کمانیں تھیں۔ میں مسلمانوں کو اسوۂ حسنہ کے اس پہلو کی طرف بطور خاص متوجہ کرتا ہوں میں اُن کے ہر ایک فرزند کو خالدؓ کو ابو عبیدہؓ کا غلام دیکھنا چاہتا ہوں۔

حیاتِ اجتماعی

تاریخ شاہد ہے کہ ان کی انقلابی ترقیاں جن کو دیکھ کر دنیا انگشت بدنداں رہ گئی چند خصوصیات کی سرمایہ دار تھیں۔ ان میں سب سے پہلی چیز اپنی حیات اجتماعی کے مقاصد و منشا کی نسبت مسلمانوں کا وہ صحیح تصور و ایقان جو قرآن نے ان میں پیدا کر دیا تھا۔ انسان کا تصور و ایقان ہی اس کے عمل کی اصل اور بنیاد ہے اور وہ بلندی تخیل

اور رفعتِ تصوّر جو قرآن نے مسلمانوں کو عطا کیا، اس کی ذلتوں کو عزت سے، اور محکومیوں کو حکومت سے بدلنے کا باعث ہوا۔ قرآنی تعلیمات کے سوا اور کونسی چیز تھی جس نے ایک بدوی کو تاج خسرو اور تختِ کسریٰ کا مستحق بنا دیا تھا۔

انسانی فکر سیاسی

گذشتہ بیس برس میں انسانی فکر سیاسی نے جتنے بچے پیدا کیے شاید ہی تاریخ کے کسی اور دور میں پیدا ہوئے ہوں۔ اشتراکیت، اشتمالیت، نازیت فاسیت اور گاندھیت ان میں سے ہر ایک آج متعلم سیاسیات کیلیے مرکز فکر و نظر بنا ہوا ہے۔

سامانِ حیات

کسی کام کا شروع کر دینا مشکل ہوتا ہے جب بیج درخت کی شکل اختیار کر لے تو وہ رفتہ رفتہ اپنی نشو و نما میں باغبان کی توجہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور قدرت اس کے لیے سامان حیات مہیا کر دیتی ہے، کتنے ہی ایسے ہی اچھے خیالات ہیں جو انسانی دماغوں کے صندوق میں مقفل ہیں اور صرف اس لیے دنیا ان کی افادیت سے محروم رہی کہ سوچنے والوں کی پست ہمتی نے ان کو اظہار سے باز رکھا۔

عمل پیہم

پندرہ سالہ قومی جدوجہد میں نے یہ تجربہ کیا کہ کسی موقتی ضرورت کی تکمیل کے لیے جس میں جذبات کی برانگیختگی کا بھی کچھ نہ کچھ سامان ہو۔ بڑی آسانی سے کارکن مہیا ہو جاتے ہیں ان کی یہ آمادگی آنی اور اسی لیے فانی ہوتی ہے۔ اگر کوئی مستقل اور مسلسل کام ان کے سپرد کیا جائے جو دل سے زیادہ دماغ سے تعلق رکھتا ہو جس کے نتائج فوری نہیں بلکہ دیرس ہوں اور جس میں ابتداً نہایت تحمل اور برداشت کے ساتھ مسلسل کام پڑے تو یہ اندازہ کیا گیا کہ بڑے جوش سے آمادہ ہونے والے آہستہ آہستہ میدان عمل سے ہٹ گئے اور کام کو چھوڑ دیا۔ میں سب سے زیادہ جس چیز کی طرف اپنے بھائیوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ استقامت اور عمل پیہم کی منزل ہے۔

خدا کی پناہ

انسان کا سب سے بڑا فتنہ یہ رہا ہے کہ اس کی جماعتی تحریکات اشخاص میں مرکوز ہو کر رہ گئیں اور نتیجہ کے طور پر جماعت نے وسعت نظر کھو دی اور اشخاص نے جماعت کی اس وابستگی سے غلط فائدہ اٹھایا میں نفس انسان کے اس شر سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔

فہرست مطبوعات بہادر یار جنگ

۱۔ نگارشات بہادر یار جنگ ۔ مرتبہ: نذیر الدین احمد (ایڈوکیٹ) سابق میونسپل کونسلر
۲۔ خطوط بہادر یار جنگ 〃 〃
۳۔ بہادر یار جنگ کے خطوط مشاہیر کے نام 〃 〃
۴۔ بہادر یار جنگ کا سفرنامہ۔ بلاد اسلامیہ ۱۹۳۱ء 〃 〃
۵۔ خطبات قائد ملت لسان الامت 〃 〃
۶۔ مکتوبات بہادر یار جنگ 〃 〃
۷۔ مکاتیب بہادر یار جنگ 〃 〃
۸۔ تاثرات بہادر یار جنگ 〃 〃
۹۔ بہادر یار جنگ کا غیر مطبوعہ کلام 〃 〃
۱۰۔ بہادر یار جنگ کی ڈائری (۱۳۳۷ف) ۲۸-۱۹۲۷ء 〃 〃
۱۱۔ بہادر یار جنگ مشاہیر وطن کی نظر میں 〃 〃
۱۲۔ بہادر یار جنگ مشاہیر دکن کی نظر میں 〃 〃
۱۳۔ بہادر یار جنگ اہل دانش کی نظر میں 〃 〃
۱۴۔ بہادر یار جنگ مشاہیر کی نظر میں (زیر طبع) 〃 〃

قائد ملت اکیڈمی چیلہ پورہ حیدرآباد

روشنی کا مینار

نہج البلاغہ ایک ایسی کتاب ہے جو تمام بنی نوع انساں کے لیے شمع ہدایت ہے۔ کیوں کہ حضرت علیؑ کے ہدایات صرف ایک قوم یا ایک مذہب کے لیے نہیں بلکہ بلا تفریق مذہب و ملت ساری دنیا کے انسانوں کے لیے ہیں۔ چنانچہ ساری دنیا میں ایک ہی مذہب ہے جس کا نام انسانیت ہے۔ کیوں کہ جب خدا ایک ہے تو مذہب بھی ایک ہوگا۔

چنانچہ حضرت علیؑ نے مالک اشتر گورنر مصر کو ہدایت فرمائی کہ۔ اے مالک! تمام بنی نوع انساں سے نیکی کرو۔ کیوں کہ سب تمھارے بھائی ہیں۔ بعض دینی رشتہ سے بعض انسانی رشتہ سے تمھارے بھائی ہیں۔

حسین ضابط
مدینہ بلڈنگ حیدرآباد
آندھرا پردیش۔ انڈیا

قطب شاہی چارمینار کی آغوش میں

ایرانی فنِ تعمیر

کا

عظیم شاہکار

فراشا کیفے اینڈ بیکری

شہر حیدرآباد کا مایہ ناز اور خوبصورت کیفے

فراشا کیفے اینڈ بیکری

چارمینار حیدرآباد